اور خدا دیکھتا رہا

جمنا داس اختر

کتب خانہ "آریہ ورت" لال کنواں دہلی

86

انتساب

اُن بے گناہ انسانوں کے نام جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان اور پاکستان میں مذہب اور خدا کے نعروں کا شکار ہوئے۔

اُن معصوم بہنوں کے نام جن کے سہاگ خدا اور پرماتما کا نام لے کر اُجاڑ دیئے گئے، جن کی عصمتیں اُسی خدا اور پرماتما کے شیدائیوں نے لوٹ لیں اور جو آج بھی دونوں ملکوں میں مذہبی جنونیوں کی قید میں تڑپ رہی ہیں۔

اُن بے زبان بچوں کے نام جنہیں مذہبی جنونیوں نے یتیم بنا دیا جنہیں محض ایک یا دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

اُن حسین اور سرسبز وادیوں کے نام جو خدا کا نام لے کر اُجاڑ دی گئی ہیں جنکی فضاؤں میں آج بھی ماتم کے گیت سُنائی دیتے ہیں۔

جمنا داس اختر

پیش لفظ

۱۹۴۷ء میں واہگا کی سرحد کے دونوں طرف انسانی خون کی جو ہولی کھیلی گئی اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے —— کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک فلم ساز نے اپنی ایک فلم میں بھی فسادات کا ایک گھناؤنا مگر عبرت انگیز پہلو پیش کرنے کی کوشش کی تھی اس کے بعد مجھے کوئی نئی کتاب لکھنے کی نہ ہی ضرورت تھی نہ ہی خواہش۔

بہرحال میری زیرِ نظر تصنیف ایک نامکمل ڈائری ہے جسے میں نے مارچ ۱۹۴۷ء میں لاہور میں لکھنا شروع کیا تھا۔ ان دنوں میں روزنامہ جے ہند کا ایڈیٹر تھا میرا خیال تھا کہ میں لاہور ہی میں رہوں گا مگر ایک حادثے نے دہلی آنے پر مجبور کر دیا اور دہلی ایسا آیا کہ بچے کی بیماری کے سبب واپس نہ جا سکا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں میں نے اس ڈائری کو شائع کرانے کا فیصلہ کیا تھا اس کا ایک حصہ نظرِ ثانی کے بعد خوش نویس کے حوالے کر دیا تھا مگر بدقسمتی سے ان دنوں دہلی میں بھی لاہور کا خونی ڈرامہ دہرایا جا رہا تھا۔ جس خوشنویس کو ڈائری کا مسودہ دیا تھا اس کے مکان پر بھی حملہ ہوا۔ اور نہ صرف یہ کہ مسودہ جل گیا بلکہ خوشنویس کو بھی اپنی جان بچانے کے لئے دہلی سے بھاگ کر کراچی جانا پڑا۔ قریباً چار ماہ کے بعد اس نے کراچی سے اپنی تباہی کی مکمل داستان بھیجی اس دوران میں مجھے بھی زندگی کی دشوار جدوجہد سے

گزرنا پڑا۔ فسادات کی تباہی ۔۔۔ بچے کی طویل بیماری رہنے کے لئے مکان نہ ملنا اور اس طرح کی درجنوں دوسری مشکلات کے سبب، ایک لمحہ کے لئے بھی اطمینان نہ ملا۔

ایک اور سبب یہ تھا کہ ایک طرف تو میں اپنے کچھ ہندو اور مسلمان دوستوں کے ہمراہ فرقہ وارانہ کشیدگی دُور کرنے کی کوشش میں مصروف تھا دوسری طرف فسادات کی اغوا شدہ عورتوں کو چھڑانا ایک اور ضروری کام تھا اس لئے خواہش ہونے پر بھی زیر نظر ڈائری شائع نہ کر سکا۔ دو سال پہلے اچانک پھر ڈائری شائع کرنے کا خیال آیا۔ ان دنوں اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی کی مہم زور و شور سے جاری تھی اُسی سلسلے میں مجھے پاکستان جانا پڑا جہاں کئی پرانے دوستوں نے صدق دلی سے امداد دی ان بد نصیب عورتوں کے متعلق میرے دو ناول آنسو اور آگ شائع ہو چکے ہیں۔ آنسو اردو ہندی۔ مرہٹی۔ گورمکھی۔ انگریزی اور تیلگو میں چھپ کر بہت مقبول ہوا۔ آگ کے دو ایڈیشن اُردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے ہندی اور گورمکھی ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں کی طباعت سے فارغ ہونے کے بعد مجھے پھر زیر نظر ڈائری شائع کرنے کا خیال آیا۔ خوش قسمتی سے پہلے حصے کے صفحات کی کاربن کاپیاں مل گئیں ۔۔۔ دُوسرا حصہ میرے پاس محفوظ تھا۔ اس لئے نظر ثانی کر کے اُسے، تیج میں شائع کرنا شروع کر دیا۔ ناظرین نے اُسے بے حد پسند کیا۔ انہیں کے تقاضے پر اب اُسے کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ ڈائری بہت طویل ہے اس لئے اسے دو جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ پہلی جلد آپ کے سامنے ہے دوسری بھی جلد ہی شائع ہو جائیگی۔

سنہ ۴۷ء کے فسادات میں میں نے لاہور اور راولپنڈی کے منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہندوستان کا سفر اختیار کیا تو واہگہ سے دہلی تک مغربی پاکستان کا ڈرامہ ہی دوبارہ

نظر آیا۔ اس واقعہ سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ تقسیم وطن کے دنوں کے فسادات کی ذمہ داری ہندو، مسلمانوں اور سکھوں تینوں پر ہے۔ کوئی فرقہ اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ آج بہت سے بزرگ جو امن و آشتی کا پیغامبر ہونے کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے۔ ۱۹۴۷ء میں بڑی طرح لڑھک گئے تھے۔ آج ان افسوسناک باتوں کا ذکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں لیکن ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو ٹٹولے اور اپنے آپ سے پوچھے کہ اس نے فسادات کی روک تھام کے لئے کیا کارروائی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ۱۹۴۷ء میں گاندھی اور جواہرلال کی طرح چند سو مخلص کارکن دونوں طرف سے نکل آتے تو دونوں ملکوں کے لاکھوں انسان تباہی سے بچ جاتے میں نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اغواء شدہ عورتوں کی بازیابی کے لئے کام کیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ دونوں طرف سے ذی اثر لوگ جن کی زبانوں پر مذہب اور خدا کا نام رہتا ہے ان بدقسمت عورتوں کو نجات دلانے کے کام میں رکاوٹ ڈالتے رہے ہیں۔ فسادات میں جن لوگوں نے حصہ لیا ہے انہوں نے خدا اور پرماتما کے نعرے بلند کئے اس مقصد کے لئے مسجدوں مندروں اور گوردواروں میں تیاریاں ہوتی رہیں ـــــ میرا مطلب یہ نہیں کہ فسادات کی ذمہ داری خدا پرستوں پر ڈالدی جائے مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تقسیم وطن کے بعد فسادات کے محرک یا تو وہ لوگ تھے جو مذہب اور خدا کے نعرے بلند کرتے تھے۔ یا وہ لوگ تھے جنہیں مذہب اور خدا کے نام پر گمراہ کیا گیا آج بھی یہی حالت ہے کہ دونوں طرف وہی لوگ جنگ، اور جہاد کی دھمکیاں دیتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا یا پرماتما کے پرستار

جھکتے نہیں تھکتے ۔ اور جو لوگ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ان کے خلاف یہی لوگ کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں ۔

فسادات کے دوران میں جب چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے خنجر گھونپے جا رہے تھے عورتوں کی عصمتوں پر ڈاکے ڈالے جا رہے تھے ۔ اس وقت بھی اللہ اکبر اور ہر ہر مہادیو کے نعرے سُنائی دیتے تھے —— مرنے والوں کی چیخوں کے درمیان اکثر اذان اور گھنٹے گھڑیالوں کی آوازیں فضا میں گونجتی ہوئی سُنائی دیتی تھیں رات کی تاریکی میں آسمان پر ستارے جگمگا رہے ہوتے تھے اس وقت کتنے ہی لوگ سوچتے تھے کہ خدا اس ظلم و تشدد کو دیکھ کر کیوں خاموش ہے ۔

مجھے اس سوال کا جواب آج بھی نہیں ملا ۔ آپ بھی سوچیں اور اپنے دلوں سے پوچھیں کہ خدا کی اس خاموشی کا کیا سبب ہے ۔

جمنا داس اختر

پہلا باب

لاہور

۶ر مارچ ۱۹۴۷ء

کل شام جلدی دفتر سے آگیا تھا۔ صبح اٹھا تو اخبار میں یہ خبر پڑھتے ہی چونک پڑا کہ ملک خضر حیات نے دہلی سے واپس آنے کے بعد اپنی وزارت کا استعفیٰ پیش کر دیا ہے۔ کل شام تو انہوں نے ایک گارڈن پارٹی دی تھی۔ اس میں انہوں نے استعفے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے ساتھیوں سے بھی کوئی مشورہ نہیں کیا۔ بلکہ آدھی رات کے وقت ایک طرف گورنر کو استعفیٰ پیش کر دیا اور دوسری طرف نواب ممدوٹ کو فون پر اطلاع دی کہ انہوں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اب انہیں وزارت قائم کر کے اپنے دل کے ارمان پورے کرنے چاہئیں۔

خبر پڑھ کر بے چین ہو گیا اور کھانا کھائے بغیر سیدھا دفتر روانہ ہو گیا۔ سارے شہر میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ ہر شخص پریشان نظر آتا ہے کوئی شخص یہ صدمہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہر ایک پوچھتا ہے ——— اب کیا ہو گا؟

اگر فرصت ملتی تو ضرور اس جلوس کو دیکھتا جو صبح صبح ہی میرے دفتر کے ساتھ والی سڑک سے ہو کر گزرا تھا۔ جلوس میں زیادہ تر طلبا ہی شامل تھے۔ اور وہ "نہیں بنے گا پاکستان" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بارہ بجے کے قریب خبر آئی کہ گول باغ کے نزدیک طلبا پر گولی چل گئی ہے اور کئی طالب علم زخمی ہو گئے ہیں۔ افواہیں تو یہاں تک پھیلیں کہ کئی طالب علم مارے گئے ہیں لیکن تحقیقات کرنے پر غلط ثابت ہوئیں۔

ایک بجے کے قریب جگن ناتھ آزاد، رام لال مہاجن کو ساتھ لے کر گول باغ گیا۔ ہزاروں طالب علم موجود تھے اور جلوس نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں اس طرح کے ہنگاموں سے دور ہی رہتا ہوں لیکن آج خاموش نہیں رہ سکا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہوتا ہے ہم تینوں جلوس کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔

لاہور کی تاریخ میں اتنا زبردست جلوس شاید ہی کبھی نکلا ہو۔ ہزاروں طالب علم، فلک شگاف نعرے اور مظاہرے! لالہ بھیم سین سچر مظاہرہ کرنے والوں کے قابو میں آ گئے۔ انہوں نے لائیڈز بنک کے نزدیک جلوس روکنے کی کوشش کی مگر کون رکتا ہے۔ جوش و خروش کے اس عالم میں طلبا نے سچر صاحب کو گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ جلوس کی رہنمائی کریں۔ اب حالت یہ تھی کہ سچر صاحب جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مگر جلوس والے چھوڑتے نظر نہیں آتے۔ اگر نرغہ سے نکلنے کی کوشش کریں تو پٹ جائیں۔ مجبور ہو کر آگے آگے چل رہے ہیں۔ جنرل پوسٹ آفس کے نزدیک انہوں

نے پھر جلوس روکنے کی کوشش کی۔ اپیلیں کرنے لگے مگر کون سنتا ہے۔ ایک نے کہا ——— آگے چلتے ہو کہ نہیں۔ اور پھر لاٹھیاں فضا میں پھرانے لگیں۔ سچر صاحب پھر چل رہے ہیں اور جلوس نعرے بلند کر رہا ہے۔

اسمبلی چیمبر کے نزدیک تو سچر صاحب نے ہمت ہار دی۔ ٹھہر گئے۔ اب ان سے چلا بھی نہیں جاتا۔ پبلک لائف میں شاید یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہیں اتنا پیدل چلنا پڑا۔ انہوں نے رک کر اعلان کیا ——— میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ کسی جلوس یا منظاہرے پر پابندی نہیں۔ اس لئے اب آپ کو منتشر ہو جانا چاہیئے۔

اب کے دلیل کام کر گئی۔ لوگ منتشر ہونے لگے مگر چھوٹے چھوٹے جلوس بنا کر۔ ہم نے ایک تانگہ لیا اور پھر سے دفتر پہنچے۔

قیامت ہی تو ہو گئی تھی۔ میرا بھائی ہانپتا ہانپتا آیا۔ بھائی صاحب فساد ہو گیا چوک متی میں نان بائیوں نے آٹھ نو طلبا کو ہلاک کر دیا تھا۔ شہر میں فساد ہو رہا ہے۔

مجھے اپنے بھائی کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ میں نے کہا۔ تمہیں کیونکر معلوم ہوا؟

اس نے کہا ——— میں بھی جلوس والوں کے ساتھ تھا۔ جلوس چوک متی سے گزر رہا تھا کہ ایک ساتھ نانبائی اور قصاب چھرے لے کر ٹوٹ پڑے۔ طلبا نے لاٹھیوں سے مقابلہ کیا۔ مگر ان کی کیا پیش آتی تھی۔ پولیس آئی تو اس نے بھی اُلٹا طلبا پر گولی چلا دی۔

مجھے پھر بھی یقین نہیں آیا ——— میں نے کہا۔ تم کیونکر بچ نکلے؟

وہ کہنے لگا ——— میں حملہ ہوتے ہی ایک نانبائی کی دکان پر چڑھ گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مسلمان سمجھا اور میں .....

میں نے آزاد صاحب سے کہا ——— ہمیں ضرور دیکھنا چاہیئے کہ آخر یہ کیا

معاملہ ہے۔

چوک متی کو جانے والی سڑک سنسان تھی، اکا دکا آدمی سہما سہما سا نظر آ رہا تھا مگر ہم دونوں شہر کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ سیتلا مندر کا رقبہ بھی سنسان تھا۔ ہم آگے بڑھ کر چوک متی کی طرف جانے لگے کہ تہمد باندھے ہوئے ایک ننگ دھڑنگ غنڈہ گالیاں دیتا ہُوا بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔

ہم دونوں کانپ اُٹھے اور مڑ کر بھاگنے لگے۔ اس نے زور سے پتھر پھینکا اور یہ پتھر سیتلا مندر کی دیوار پر جا لگا۔

واقعی گڑبڑ تھی نہ ہوتی تو یہ سب علاقہ سنسان کیوں ہو جاتا یہ غنڈہ حملہ کیوں کرتا۔ ہم واپس ہونے لگے کیونکہ آگے بڑھنا جان کو خطرہ میں ڈالنا تھا —— اور یہ کون —— تانگہ پر ایک عورت سوار تھی اور تانگہ والا اسے چوک متی کی طرف لے جا رہا تھا ہم نے اسے روک لیا۔ تانگہ والے سے کہا —— آگے جانا خطرناک ہے۔ فساد ہو رہا ہے وہ نہ رُکا تو ہم نے زبردستی اسے روک لیا اور عورت کو سمجھایا۔ وہ عورت پاپڑ منڈی کی نئی گلی میں رہنے والی تھی اور مرنگ سے آ رہی تھی۔ تانگہ والا غالباً سب کچھ جانتے ہوئے بھی اسے خطرناک علاقہ میں لے جانا چاہتا تھا —— مگر ہمارے اور اس عورت کے اصرار پر اس نے ارادہ بدل دیا اور عورت کو وہیں اُتار کر آگے چل دیا۔

دفتر میں آتے ہی اس عورت کو شاہ عالمی کے راستے اس کے گھر بھجوا دیا گیا۔

لیکن آج تو اندھیر ہی ہو گیا شاہ عالمی کے راستے چارپائیوں پر لاشیں اور زخمی آ رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہُوا کہ شاہ عالمی کے اندر فرقہ وارانہ فساد شروع ہو گیا ہے۔ کیوں ہُوا اور کیسے ہُوا؟ اس کے متعلق طرح طرح کے بیان آ رہے ہیں لیکن

سب سے تعجب کی بات یہ ہے کہ فساد میں پولیس سے ملتی جلتی وردیوں میں ملبوس لیگ کے والنٹیر ہی نظر آتے ہیں۔ جہاں فساد ہو رہا ہے ہم اس جگہ سے کوئی ایک چوتھائی میل کے فاصلہ پر ہیں۔ گولیاں چلنے کی آوازیں بھی آ رہی ہیں۔

فساد ایک نہیں کئی جگہ ہو رہا ہے۔ چھرے چل رہے ہیں مکان اور دکانیں لوٹی جا رہی ہیں اور رات کی تاریکی میں نعرے اور جوابی نعرے بلند ہو رہے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ کیوں انسانی جانوں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے آج سردار پرتاپ سنگھ گیانی کرتار سنگھ اور ماسٹر کابل سنگھ نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان ہماری ہڈیوں پر ہی تعمیر ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بنے یا نہ بنے انسان پر ضرور قیامت آئے گی۔

•

مارچ دو بجے رات

ہے اور جگہ جگہ آگ لگی ہے دفتر میں بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ آج فساد کا چوتھا دن ہیں اور عورتوں و بچوں کے چیخنے رہے ہیں گولیاں چل رہی ہیں اور نعرے لگائے جا رہے ہے

لاہور کی آگ امرتسر، ملتان، راولپنڈی اور کئی شہروں میں پھیل گئی ہے

۔ لاہور میں کناری بازار جل گیا ہے۔ موچی گیٹ اور کئی بازاروں آگ لگی ہوئی ہے۔ اندازہ ہے کہ ایک سو سے زیادہ آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ فساد ایک منظم سکیم کے ماتحت ہو رہا ہے۔

ہر جگہ فساد سے پہلے مشترکہ امن کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ انہیں امن کمیٹیوں کے ہندو

سکھ ممبروں کو مشترکہ میٹنگ میں سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اور اس کے بعد فساد شروع ہو گئے۔ پولیس ہر جگہ طرفداری سے کام لے رہی ہے۔

ابھی کچھ دیر ہوئی شفیع صاحب کا فون آیا تھا وہ فسادات پر تشویش ظاہر کر رہے تھے کہہ رہے تھے یہ انگریز کی سازش ہے۔ اس کے افسر ہر جگہ سرگرم ہیں مسلم لیگ کا کوئی ہاتھ نہیں۔

شفیع ایک نیک انسان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فسادات کی خبریں پڑھ پڑھ کر اس کا دل رو رہا ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ مسلم لیگ کا کوئی ہاتھ نہیں مسلم لیگ کا تعلق نہ ہو تو لیگ کے رہنما فسادات پر قابو پانے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ شفیع کی شخصیت پر مجھے شک نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسے خود بھی صحیح حالات کا علم نہیں۔

اور عارضی وزارت بھی مستعفی ہو چکی ہے۔ ملک خضر حیات لاہور سے کالا باغ چلے گئے ہیں۔ نواب ممدوٹ خالص لیگی وزارت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

۱۱ مارچ

حکومت کے اعلان مضحکہ خیز ہیں۔ آج اعلان ہوا ہے کہ لاہور میں سکون ہے۔ لیکن یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ اپنی آنکھوں سے جلتے ہوئے مکان دیکھ رہے ہیں۔ چھرے چلنے کے واقعات بھی ہو رہے ہیں اور سرکار کہتی ہے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔

فسادات کی آگ بجھتی نظر نہیں آتی۔ امرتسر کی حالت بھی لاہور کی طرح ہے سینکڑوں مکان جل چکے ہیں۔ کٹرہ جیمل سنگھ جیسا تجارتی مرکز بھی جل گیا ہے۔ راولپنڈی۔ ملتان

اور کیمبل پور کے دیہات بھی جل رہے ہیں۔ سرحد میں جگہ جگہ فساد ہو رہے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اب کیا ہوگا۔

کیا ستم ظریفی ہے گورنر اور انسپکٹر جنرل پولیس ہوائی جہازوں پر فساد زدہ علاقوں پر پرواز کر رہے ہیں اور امن کی اپیلیں جاری کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ "یہ آگ ہماری اپنی ہی لگائی ہوئی ہے اور اب ہم تمہارے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے امن کی اپیلیں جاری کر رہے ہیں۔" فسادیوں کی گرفتاریوں کی خبریں بھی آتی ہیں۔ لیکن گرفتار ہوتے ہیں تو زیادہ تر بے قصور لوگ۔ فساد کرانے والے آزادی سے پھر رہے ہیں۔

مقبول صاحب اچانک دفتر میں آ پہنچے تو میں چونک پڑا۔ میں نے کہا ---- بابا! کیوں جان کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔ آج کل کسی کا اعتبار نہیں۔ وہ مسکرا دئے۔ کہنے لگے۔ اور سب برداشت کر سکتا ہوں مگر جمنا داس اختر پر نہیں۔

مقبول صاحب "احسان" کے نیوز ایڈیٹر ہیں۔ "احسان" مسلم لیگی اخبار ہے۔ مگر مقبول صاحب مجھے بڑے بھائیوں کی طرح عزیز ہیں۔

بے چارے عجیب مصیبت میں گرفتار تھے ---- بھانجی کی شادی کے سلسلہ میں ایک صراف کو زیور تیار کرنے کے لئے سونا دیا تھا۔ فساد کی وجہ سے بازار بند ہے۔ اس لئے پریشان ہیں کہ اب کیا کریں۔

انہیں لے کر کرشن نگر گیا۔ صراف سے ملے۔ صراف بے چارہ نہایت شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا آپ فکر نہ کریں۔ میں کاریگر بلا کر ایک دو دن میں زیورات تیار کرا دوں گا۔ فسادات ہو رہے ہیں تو کیا ہوا۔ آپ کو پریشانی کیوں ہو۔

مقبول صاحب کو اسلامی رقبے کی "سرحد" پر پہنچا کر واپس آ گیا۔

عوام پر اس قدر دہشت طاری ہے کہ آج جب لوہاری گیٹ میں دو سانڈ آپس میں اڑ پڑے کچھ لوگ انہیں چھڑانے کے لئے لاٹھیاں لے کر بھاگے اور مارو مارو کہنے لگے تو انارکلی میں افراتفری مچ گئی۔ لوگ سمجھے کہ فساد ہو گیا ہے اور بھاگنے لگے۔ پھر کیا تھا دور تک دہشت پھیل گئی۔ دوکانیں بند ہونے لگیں اور بازار سنسان ہو گئے۔ ہم لوگوں کی زندگی بھی عجیب و غریب ہے۔ صبح سائیکل پر دفتر آتے ہیں تو یہی خوف رہتا ہے کہ کسی وقت بھی چھرا سینہ میں پیوست ہو سکتا ہے۔ سارا دن فساد اور چھرے بازی کی خبریں سنتے ہیں شام کو کرفیو نافذ ہونے سے پہلے ہی گھر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اکثر رات کو بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ آج بیوی کہہ رہی تھی کہ رات کا کام بند کر دو لیکن اسے کیا پتہ کہ اخبار کے دفتروں میں رات کو کام کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ آج رات کو کسی نے فون کیا۔ "اپنا رویہ بدلو ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے" مسلم فیڈریشن کا کوئی کارکن تھا اور وہ دھمکیوں کے ذریعے ہمیں مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے معلوم نہیں کہ اخبار نویس کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔

"اینٹی پاکستان ڈے" زور شور سے منایا گیا ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے جلسہ میں اعلان کیا ہے۔ کہ اگر پاکستان قائم ہوا تو میں گوبلز اور ہٹلر کی طرح آتم ہتیا کر لوں گا۔ چودھری لہری سنگھ فرماتے ہیں کہ ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ لیکن کون مقابلہ کرے گا۔ کون خودکشی کریگا۔ اگر رہنما صحیح رہنمائی کریں تو یہ حالت ہی کیوں پیدا ہو۔

۱۳؍ مارچ

لاہور اور امرتسر جل رہے ہیں۔ راولپنڈی اور کیمبلپور کے دیہاتی علاقے تباہ ہو چکے

ہیں۔ ٹرینوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں لوگ قتل ہو چکے ہیں اور لیڈر ہیں کہ اپنے گھروں میں سوئے پڑے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہوائی جہاز پر ایک دورہ کر لیتے ہیں اور بس ——————

لاہور میں تو قیامت کے سے منظر دکھائی دیتے ہیں۔ کرشن نگر سے بھارت بلڈنگ آتے ہوئے آج صبح مٹن مارکیٹ سے گذرا۔ تو چند گز آگے ہوتے ہی کسی نے مارکیٹ کی بلڈنگ سے نکل کر ایک سائیکل سوار کو روکا۔ اور اسے چھرا گھونپ کر غائب ہو گیا ہسپتال کے نزدیک ہی ایک بوڑھا راہگیر اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

سنا ہے۔ امرتسر سے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی طرف سے لاہور میں نیشنل گارڈ والوں کو "کانچ کی چوڑیاں" موصول ہوئی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "اگر کچھ نہیں کر سکتے تو عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ رہو ——" اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور میں چھرے بازی تیز ہو گئی۔

۱۵ مارچ

لاہور اور امرتسر مرگھٹ بنے ہوئے ہیں۔ لاہور میں سول لائنز کے سوا ہر جگہ چھرے چل رہے ہیں۔ امرتسر میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی ہے۔ اور قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں نالیوں اور کنوؤں سے لاشیں برآمد ہو رہی ہیں۔ ملتان راولپنڈی اور کیمبلپور کی بھی یہی حالت ہے۔ آج ہی خبر آئی ہے کہ حملہ آوروں نے ڈاکٹر کچلو کو ہندو سمجھ کر قتل کرنے کی کوشش کی۔ اور تب چھوڑا جب کہ انہیں برہنہ کر کے یہ تصدیق نہیں کر لی گئی کہ وہ مسلمان ہیں۔ ملتان کے سیٹھ کلیان داس کے دوستوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لیکن وہ بھی

بچ نہیں سکے۔ فسادیوں نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

لاہور اور امرتسر میں لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ نسبت روڈ پر شہر چھوڑنے کے لئے تانگوں پر جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ غنڈوں کے سوا ہر شخص کا چہرہ اترا ہوا ہے۔

آج ملک نورالٰہی سے بات چیت ہوئی تھی۔ کہنے لگے کہ غنڈوں کے گروہ لوٹ مار کے لئے یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ میں کیونکر یقین کر لوں۔ جبکہ مجھے ذاتی طور پر یہ علم ہے کہ پولیس کے افسر اور لیگ کے لیڈر تک فسادیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ آخر اتنے چھرے کہاں سے آ رہے ہیں۔ اتنے بم اور پستول کون لاتا ہے۔ اور پھر لیگ کی لیڈر شپ ایماندار ہے تو وہ فسادیوں کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی۔

راما نند ساگر ملے۔ چہرہ آگ سے جھلسا ہوا تھا۔ بازو زخمی تھا اور بندھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ کہنے لگے۔ کیا کہوں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ پاگل سا ہو رہا ہوں۔ غنڈوں سے مقابلہ ہو تو کوئی بات نہیں مگر جب حملہ ہوتے ہی پولیس اور نیشنل گارڈ کے والنٹیئر بھی سامنے آ کر گولیاں چلاتے ہیں۔ تو کچھ سمجھ نہیں آتا۔

راما نند ساگر کا مکان نہایت خطرناک علاقہ میں ہے۔ میں نے کہا۔ ادھر آ جاؤ۔ تو ساگر نے کہا — گھر نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک جان ہے۔ ڈٹ کر رہوں گا۔

محلہ سریاں اور پیپل ویڑہ۔ یہ دو ایسی جگہیں ہیں۔ جہاں تباہی ہو رہی ہے۔ محلہ سریاں میں تو بہت سے مردوں کے ہلاک ہو جانے پر ہندو عورتوں نے مقابلہ شروع کر دیا۔ سارا شہر ان کی بہادری پر عش عش کر رہا ہے مگر پولیس نے حملہ آوروں کو گرفتار کرنے کی بجائے الٹا ان عورتوں کو گرفتار کر لیا ہے۔

فساد کی آگ صوبہ سرحد میں بھی پھیل گئی ہے۔ پشاور اور ہزارہ کے علاقوں میں بھی چھرے چل رہے ہیں۔ یہی حالت نوشہرہ اور کوہاٹ کے علاقوں میں ہے۔ صوبہ سرحد میں فسادات کی آگ مسلم لیگ کی "شہری آزادی" کی تحریک سے پھیلنا شروع ہوئی ہے لعنت ہے اس شہری آزادی پر جس میں دوسروں کے گلے کاٹے جائیں۔ آگ لگائی جائے اور عورتوں اور بچوں کو اغوا کر لیا جائے۔

قتل و غارت گری کی اس فضا میں کچھ خوشگوار خبریں آتی ہیں تو قدرے سکون ہوتا ہے۔ پشاور میں ایک نیک دل وکیل مسٹر نور الٰہی ہندو سکھ لڑکیوں کو غنڈوں کے ہاتھوں سے بچاتے ہوئے سخت زخمی ہوئے۔ ایک طرف نور الٰہی صاحب ہیں اور دوسری طرف وہ لیڈر جو عورتوں اور بچوں کو اغوا کرنے والوں کو مجاہد کا خطاب دے کر ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

راولپنڈی سے تشویشناک خبریں آ رہی ہیں۔ اس لئے ارادہ ہے کہ پہلی فرصت میں وہاں پہنچوں۔

۲۰ مارچ

دیریندر جی اور ان کی دھرم پتنی میرے راولپنڈی جانے کے حق میں نہیں تھیں۔ دونوں کا کہنا تھا کہ مجھے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیئے لیکن اپنے بس کی بات نہیں رہی۔ دیریندر جی ملتان گئے تو ان کی پتنی کو منوا ہی لیا اور جگن ناتھ آزاد کو اپنے ساتھ لے کر فرنٹیر میل پر راولپنڈی روانہ ہو گیا۔ ایک کیمرہ لے لیا ہے اس سے فساد زدہ علاقوں کی تصویریں حاصل کرنے کا ارادہ تھا۔

گاڑیوں میں بہت بھیڑ ہے پھر بھی سیکنڈ کلاس میں جگہ مل گئی عجیب پریشانی کا عالم ہے۔ ہر مسافر پریشان ہے لیکن ایک نمایاں بات یہ ہے کہ فساد سے گاڑیاں اور ان میں سفر کرنے والے مسافر متاثر نہیں ہوئے ہر مسافر فسادات کی مذمت کرتا تھا۔ ہر ایک امن کا حامی ہے لیکن اگر یہ درست ہے تو فساد کون کراتا ہے؟

جہلم سے راولپنڈی تک تمام سٹیشن ویران نظر آتے ہیں اور جلتے ہوئے گاؤں نظر آتے ہیں۔ مندرہ کا ریلوے سٹیشن جلا ہوا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ کے لئے رکی تو میں گاڑی سے اُترا اور دیوار پر کھڑے ہو کر جلے ہوئے مکانوں کی تصویریں لینے لگا۔ مسافر حیرانی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی فسادی اچانک حملہ کر دے تو.......

مسافروں میں سے کئی لوگ دیہات سے آئے ہوئے مصیبت زدہ لوگ تھے جن کے گھر بار جل گئے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور وہ ایسی داستانیں سنا رہے تھے جن سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسی بربریت کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ راولپنڈی میں پہنچے تو سٹیشن سنسان تھا معلوم ہوا ہے کہ کرفیو کا وقت ہو رہا ہے اس لئے لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔

تانگہ لیا اور دونوں شہر کو روانہ ہو گئے۔ آزاد تو کالج روڈ پر اُتر گیا اور میں پیدل چلنے لگا کیونکہ تانگے والے نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ سنسان سڑکوں اور گلیوں سے ہوتا ہوا چھاچھی محلے پہنچا۔ یہاں میرے سُسرال کا گھر ہے۔ انہوں نے مجھے اوپر سے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ مورچہ بند تھے۔ بڑی مشکل سے دروازہ کھُلا۔ میں نے کہا —— میں اپنے گھر جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ پاگل تو نہیں ہو گئے۔

راستہ خطرناک ہے اور کرفیو کا وقت شروع ہونے والا ہے۔
تاہم میں نے اصرار کیا۔ وہ کہنے لگے یہ بات ہے تو فوراً چلے جاؤ۔ دیر نہیں کرنی چاہیئے۔

راستہ میں جگہ جگہ گورکھا سپاہیوں کی پکٹیں لگی ہوئی تھیں۔ گھر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ والدہ نے دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ مکان کے اندر داخل ہوتے ہی کہنے لگیں۔ اس خطرے میں کیوں آ گئے۔ یہاں پر تو قدم قدم پہ جان کا خطرہ ہے۔
میں نے مسکرا کر کہا۔ مجھے تو کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔

دوسرا باب

انھوں نے کہا —— یہاں تو شام ہونے سے پہلے ہی دروازے بند ہو جاتے ہیں کیا پتہ کس وقت موت کا خنجر کس کے سینے میں پیوست ہو جائے۔

۲۱ر مارچ

کل رات جاگتے ہی کٹی۔ پرماتما اور خدا کے نام پر نعرے بلند کر کے خونریزی کے چیلنج دینے والوں نے کسی کو سونے نہیں دیا۔ میرے ایک کرایہ دار کا کمسن لڑکا بھی نعرے بلند کر رہا تھا۔

صبح سویرے جگن ناتھ آزاد آ گئے۔ انہیں ساتھ لے کر دیوان ہنس راج صوری کے مکان پر پہنچا وہ بھی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ میں نے کہا —— جلدی چلو —— کوئی

فوٹوگرافر حاصل کر کے تصویریں لیں گے ۔

"یہاں جان پر پڑی ہے اور آپ کو تصویریں لینے کی سُوجھ رہی ہے"۔ دیوان صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا مگر دوسرے ہی لمحے اٹھ کھڑے ہو گئے اور پھر ہم تینوں فوٹوگرافر کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے ۔

چلے ہوئے ویران بازار ۔ پژمردہ چہرے ایسے معلوم ہوتا تھا ۔ گویا پیڑ والا ٹیک پر خزاں چھا گئی ہے ۔ فوٹوگرافر مسٹر کوہلی کا مکان نزدیک ہی تھا ۔ انہیں تجویز پیش کی تو کہنے لگے ——— کیا مذاق سوجھا ہے آپ لوگوں کو ؟ جان کی خیر نہیں کیا ؟

ہم نے کہا ۔ جو بھی ہو ۔ جو کام کرنے کے لئے آئے ہیں ، وہ کرنا ہی ہو گا ۔

کوہلی صاحب کیمرہ لے کر باہر نکلے میرا کیمرہ میرے ہاتھ میں تھا اور ہم تپوبن کی طرف روانہ ہو گئے ۔

ایک سردار صاحب ملے ریڑھی پر بچے کو بٹھائے ہوئے تھوڑا سا سامان رکھا ہوا ۔ ان کی بیوی ساتھ ساتھ چل رہی تھی ۔ ان کے نوجوان لڑکے کو پولیس نے گولی سے اڑا دیا تھا اور اب یہ خاندان مجسم ماتم بنا ہوا شہر کا رخ اختیار کئے ہوئے تھا ۔

کار نے صدر کا رخ اختیار کیا یہاں ایک بہت بڑا کیمپ تھا ہزاروں لوگ خیموں میں پڑے ہوئے تھے ۔ چار پانچ دن پہلے پنڈت جواہر لال اور سردار بلدیو سنگھ ہوائی جہاز پر راولپنڈی آئے تھے اور اس کیمپ کو دیکھنے گئے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا اور رو رو کر فریاد کر رہے تھے کہ ہمیں ہماری بیویاں اور لڑکیاں دلاؤ ۔

آج بھی وہ رو رہے تھے اپنے نقصان کی لمبی لمبی فہرستیں انہوں نے ہمارے سامنے رکھنا شروع کر دیں ۔ گویا انہیں امید تھی کہ ہم ان کا لٹا ہوا مال واپس دلا دیں گے ۔

کوئی ایک گھنٹہ چکر لگانے کے بعد راجا بازار میں گئے۔ یہاں تھانے کے سامنے دو دو کانیں بھی تھیں۔ پولیس اتنی مصروف تھی کہ اسے آگ بجھانے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ جامعہ مسجد کے عقب میں حکیم آسا رام کا دواخانہ لٹ گیا تھا لیکن وہ خود بچ گئے تھے۔ اور بیمہ کمپنی سے جلی ہوئی دو کانوں کا معاوضہ حاصل کرنے کے لئے کلیم تیار کر رہے تھے۔

کار جامعہ مسجد کے سامنے سے ہو کر گزری اور شاہ نذر کے چوک پر رک گئی۔ ایک ساتھ نصف درجن سے زیادہ جلے ہوئے مکانوں سے ابھی تک آگ کا دھواں مرنے والے کے آخری سانسوں کی طرح سلگ سلگ کر نکل رہا تھا۔

رات گزر گئی۔ دوپہر کو پھر فرنٹیر میل کا سفر کتنی ہی بھیڑ تھی۔ گاڑی میں تل دھرنے تک کو جگہ نہیں تھی۔ صوبہ سرحد سے کتنے ہی لوگ جان بچانے کے لئے دور دور کا سفر کر رہے تھے۔ جگہ نہ ملی۔ ایک ڈبہ خالی دکھائی دیا۔ اندر سے بند تھا کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے ایک کھڑکی کھلی اور ایک لالہ جھانک کر کہنے لگے۔ کیا بدتمیزی ہے یہ؟

میں نے کہا۔ دروازہ کھولئے ہمیں بھی سفر کرنا ہے۔

"ڈبہ ریزرو ہے" کہتے ہوئے وہ دروازہ بند کرنے لگے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے کہا —— آپ نے کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ ڈبہ ریزرو ہے مگر آپ میں انسانیت بھی نہیں کیا؟ اسے بھی ریزرو کر رکھا ہے کیا؟

ان کی بیوی سامنے آگئیں۔ جھنجلا کر کہنے لگیں —— دروازہ بند کیجئے جی! یہ لوگ خواہ مخواہ دوسروں کو تنگ کرتے ہیں۔

ہم ڈٹ گئے کئی لوگ جمع ہو گئے اور لالہ جی کو دروازہ کھولنا پڑا۔

یہ صاحب نوشہرہ کے کوئی رئیس تھے جان کے خوف سے بھاگ کر نینی تال جا رہے تھے پیسے والے آدمی تھے اس لئے انہوں نے سارا ڈبہ ہی ریزرو کرا لیا تھا اور دروازہ بند کر کے سرمایہ داری کی اس روایت کی تصدیق کر رہے تھے کہ مصیبت کے وقت بھی سرمایہ دار غریب کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ڈبے کا دروازہ کیا کھلا ایک ہجوم دھکم دھکا ہو کر ڈبے میں گھس گیا لالہ جی منہ دیکھتے رہ گئے۔

۲۲ر مارچ

لاہور میں حالات بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شام کو کرفیو نافذ ہونے سے پہلے ہی بازار اور گلیاں سنسان اور ویران ہونے لگتی ہیں۔ رات کو نعرے بلند ہوتے ہیں، آگ کے شعلے دُور دُور سے نظر آتے ہیں۔ نیند کہاں سے آئے ہر گھڑی حملہ کا اندیشہ ہی رہتا ہے

کل صبح ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ کتنی ہی شناسا اور اجنبی صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ چندے کی اپیل کی گئی۔ تعجب ہے کہ اپیل ہوتی ہے تو پیسے والے لوگ بغلیں جھانکنا شروع کر دیتے ہیں اور متوسط درجہ کے لوگ ہی جوش و خروش میں آ کر چندے دیتے ہیں۔ رات کو باری باری سے پہرہ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن بڑے لوگ خود تو آرام سے سوئے رہتے ہیں مگر بھیج دیتے ہیں اپنے ملازموں کو جو دن بھر گھر کا کام کرتے ہیں اور رات کو پہرہ دینے کے لئے جاگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

عجیب بات ہے شہر میں آگ لگنے سے سینکڑوں مکان جل گئے ہیں اور لوگ بھاگ بھاگ کر کرشن نگر آ رہے ہیں یہاں کے لوگ انہیں پناہ دینے کے لئے پگڑیاں

طلب کر رہے ہیں۔

میرے پڑوس میں ایک ماسٹر جی رہتے ہیں انہیں غالباً پگڑی لینے کی امید ہے انہوں نے ایک کرایہ دار کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ پھر حکم دیا کہ وہ اور اُن کے بال بچے گھر میں پاخانہ نہیں کر سکتے۔ بے چارے کیا کریں باہر کھیت میں جائیں تو جان کا خطرہ گھر میں ممانعت ہے۔

یہ ماسٹر جی کچھ دن پہلے ہندو دھرم کے نام پر اپیلیں کر رہے تھے آج صبح انہوں نے کرایہ دار کا سامان باہر پھینک دیا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا اور پگڑی لے کر ایک سرمایہ دار کو کمرہ دے دیا۔ کرایہ دار بے چارہ کیا کرتا گلی میں چارپائی بچھا کر بیٹھ گیا ہم سب نے ماسٹر جی کو سمجھایا مگر وہ کب ماننے والے تھے میرے مکان کے سامنے ایک اور صاحب رہتے ہیں۔ ان کے پاس ایک خالی مکان بھی ہے۔ ان سے منت سماجت کی مگر انہوں نے بھی کورا جواب دے دیا۔ آخر کار پولیس سے درخواست کی سب انسپکٹر ایک معتدل انسان تھا۔ اس نے ماسٹر جی کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کی اور گرفتاری کی دھمکی تب کہیں جا کر ماسٹر جی نے کرایہ دار کو دوبارہ رہنے کی اجازت دی۔

دوسرے شہروں میں تو امن و امان ہو گیا ہے۔ مگر امرتسر اور لاہور میں چھرے چل رہے ہیں گولیاں چل رہی ہیں اور آگ لگ رہی ہے۔

۲۳ مارچ

اینٹی پاکستان ڈے منایا گیا ہے۔ لیکن پاکستان بن کر ہی رہے گا کیونکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی ملک کی تقسیم ماننے والی ہے۔ اب سوال محض یہ رہ گیا ہے کہ پنجاب بنگال

اور آسام کی تقسیم ہو یا نہ ہو مسلم لیگ ان صوبوں کو مکمل طور پر پاکستان میں شامل کرنا چاہتی ہے اور کانگریس تقسیم پر زور دے رہی ہے اور یہ فساد اس لئے ہو رہے ہیں کہ کانگریس مجبور ہو کر لیگ کی ضد پر جھک جائے۔

فسادات پر قابو پانا مشکل نظر آتا ہے۔ کل انسپکٹر جنرل پولیس سے بات چیت ہوئی تھی۔ وہ پولیس کی جانبداری مانتے تھے۔ مگر کہتے تھے کہ اگر سختی کی جائے تو پولیس کے بغاوت کر جانے کا اندیشہ ہے لیکن اصلی بات تو یہ ہے کہ انسپکٹر جنرل پولیس اور دوسرے انگریز افسر فسادیوں کو شہ دے رہے ہیں۔ آج صبح کرفیو لگنے سے پہلے کئی لوگ گھروں سے نکلے تو گورے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ انہیں چڑا چڑا کر پوچھتے تھے۔ آزادی مانگتے تھے۔ اس کا مزا چکھ رہے ہو نا؟

پشاور سے خبر آئی ہے کہ "وزیر خزانہ مسٹر مہر چند سکسینہ پر گولی چلائی گئی ہے سکسینہ صاحب بچ گئے لیکن میاں جعفر شاہ پارلیمنٹری سیکرٹری کا لڑکا زخمی ہو گیا۔"

ظاہر ہے کہ فسادیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں۔ فسادات کی آگ پر کوئی پانی ڈالنے کی جرأت نہیں کرتا۔ دورے ہو جاتے ہیں لیکن کوئی خطرہ مول لے تو امن کی صورت نظر آئے۔ اس سلسلہ میں سرحد سے کچھ خوشگوار خبریں آئی ہیں۔ دو ہزار سُرخ پوش تحصیل چارسدہ سے پشاور آ گئے ہیں اور انہوں نے عدم تشدد سے تشدد کو روکنے کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے بازاروں میں گشت کرنا شروع کر دیا ہے اور دوکانیں کھلوا رہے ہیں۔ سرخپوشوں کے آنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اقلیتوں کے حوصلے بحال ہو رہے ہیں۔

۲۴ مارچ

لارڈ ویول گئے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن آ گئے۔ دہلی میں ایشیائی کانفرنس ہو رہی

ہے اور پنجاب اور سرحد میں آگ لگی ہوئی ہے۔

شام کو دفتر سے گھر آیا تو معلوم ہوا ہے کہ مالک مکان کے لڑکے کو پولیس نے زخمی کر دیا ہے اور اب وہ ہسپتال میں ہے۔ کرفیو کے باوجود بھائی کو لے کر شہر پہنچا جنرل پوسٹ آفس کے نزدیک پہنچا تو شہر کی آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے۔ بھائی کو تار گھر میں ٹھہرایا اور سائیکل پر نسبت روڈ روانہ ہو گیا۔ کار ہو تب ہی مزنگ کے ہسپتال جایا جا سکتا تھا کیونکہ راستہ خطرناک تھا۔ ایک دوست سے درخواست کی۔ اس کے ڈرائیور نے خطرہ مول لینے سے انکار کر دیا۔ دوسرے سے درخواست کی تو اس نے پٹرول نہ ہونے کا بہانہ کر دیا۔ ہندو سکھ ریلیف کمیٹی کو فون کیا وہاں سے جواب ملا کہ کوئی گاڑی موجود نہیں رائے بہادر ہری داس اور ڈاکٹر نارنگ کو فون کئے وہاں سے بھی کورا جواب مل گیا۔

بارہ بج گئے۔ اب تو مزنگ پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہیں گھر جانا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ مگر نہ جاؤں تو سب پریشان ہوں گے۔ اس لئے بھائی کو تار گھر سے لے کر گھر روانہ ہو گیا۔

آج تو بڑی مشکل سے بچے۔ جس سب انسپکٹر نے گولی چلائی تھی۔ اسی نے سیکریٹریٹ کے نزدیک گاڑی سے اتر کر روک لیا اور اس کے ساتھ سنگین تانے ہوئے کوئی ایک درجن کانسٹبلوں نے ہم دونوں کو گھیر لیا۔ لگے پوچھنے۔ کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ کیوں پھر رہے ہو ——؟

شکر ہوئی کہ جان بچ گئی۔

آج کل سرشیں بہت مغموم رہتا ہے بے چارہ پریشان ہے کیوں کہ کئی دن سے نیلا کی چٹھی نہیں آئی۔ بے چاری لائل پور میں رکی ہوئی ہے۔ سرشیں اسی کی یاد کر کر کے

آنسو بہاتا رہتا ہے۔

۲۷ مارچ

لارڈ مونٹ بیٹن کہتے ہیں کہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا۔ حکومت کا انتظام پورے طور پر عوام کے نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے امن کے حامیوں کی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن لاہور اور امرتسر میں تو امن کی اُمید نظر نہیں آتی۔ حکومت معقول ہو تو مارشل لا لگا دے۔ امن قائم ہوتا ہے کہ نہیں لیکن امن قائم کرنے کی خواہش کسے ہے۔

دیکھ لیجئے! گورنر سرحد فساد زدہ علاقہ سے گزرتے ہیں تو فساد کرنے والے ہی ان کی کار کے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور حملے ہوتے ہیں دوسرے لوگوں پر۔ انگریز کتنا شاطر ہے۔ ڈیڑھ سو سال سے ظلم کر رہا ہے مگر اب اس نے عوام کی توجہ ایسی بنائی ہے کہ ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہو رہا ہے۔ اور انگریز کو اپنا بال تک بیکا ہونے کا اندیشہ نہیں۔ فسادات کے ہنگاموں میں ایک ہی روشن پہلو ہے اور وہ سرحد کے خدائی خدمتگار والنٹیروں اور ان کے لیڈروں کی سرگرمیاں۔ مردان سے سرحد کے فسادات شروع ہوئے تھے مگر اسی مردان میں آج ہزاروں سرخپوشوں کے جلسوں میں قاضی عطا اللہ خان غنڈہ پن کی مذمت کر رہے ہیں اور اپیلیں کر رہے ہیں کہ اپنی جانیں دے کر بھی ہندوؤں اور سکھوں کو بچاؤ۔

گاندھی جی بھی نواکھلی کا دورہ کر رہے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ پنجاب میں کوئی گاندھی کیوں نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں امن کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال کر کوئی میدان میں

کیوں نہیں نکلتا۔

مسٹر جناح نے آبادیوں کے تبادلہ کی تجویز پیش کی ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔

کہیں فسادات میں یہی نیت تو نہیں کام کر رہی۔

۲۸ر مارچ

سرحد سے ایک دوست آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سرخپوش اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر ہندوؤں اور سکھوں کی مدد کر رہے ہیں۔ پشاور میں ایک نیکدل ڈاکٹر عبدالمجید ہندوؤں کے محلہ میں جا کر طبی امداد بہم پہنچا رہے ہیں۔ ایک مسلم لیگی نے ایک سرخپوش کو چھرا گھونپ دیا لیکن اس کی جگہ لینے کے لئے دوسرے سرخپوش آ گئے اور ہندوؤں کا محلہ محفوظ رہا۔

سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک کو گورنر کی امداد حاصل ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اشتہاری مفرور اس سے گورنمنٹ ہاؤس میں ملاقات کریں۔

سرحد کے ایک ذمہ دار لیڈر یہاں پہنچے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ گورنر ڈاکٹر خان صاحب کو استعفٰی دے دینے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ موجودہ حالات میں امن قائم رکھنے کے لئے یہی ایک طریقہ ہے دوسرے معنوں میں مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب امن قائم کرنے کی بجائے فسادیوں کے سامنے جھک جائیں۔

فسادات کی وجہ سے ڈاکوؤں کو بھی ڈاکے ڈالنے کا موقعہ مل گیا ہے لاہور سے ایک بس مسافروں کو لے کر لائل پور جا رہی تھی۔ راستے میں ڈاکوؤں نے بس کو روک لیا

اور مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک عورت ڈاکوؤں کی ہم مذہب تھی اس نے اپنی مذہبی کتاب کھول دی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ ڈاکوؤں نے اسے لوٹنا چاہا تو اس نے ہم مذہب ہونے کا واسطہ دیا۔ ڈاکوؤں نے کہا ——— "مائی ہم فساد کرنے والے نہیں، ہم ڈاکو ہیں ہماری نگاہ میں ہندو اور مسلمان ایک جیسے ہیں"

اور بے چاری بڑھیا لٹ گئی۔ ڈاکوؤں نے جسم کے کپڑوں کے سوا اس سے سب کچھ چھین لیا۔

۲۹ مارچ

میرا یہ یقین پختہ ہو رہا ہے کہ فسادات میں برٹش ڈپلومیسی کا پورا پورا حصہ ہے۔ سرحد سے جو صاحب آئے ہیں۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ سر اولف کیرو نے فساد کرانے کے لئے ۵۶ ہزار روپیہ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کے خفیہ فنڈ سے تقسیم کیا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب کو علم ہو گیا ہے۔ انہوں نے گریبان سے اولف کیرو کو پکڑ لیا اور کہا کہ اگر فساد جاری رہے تو اس کی اپنی خیر نہیں ہو گی۔ ڈاکٹر خان صاحب ایشیائی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے گئے تھے۔ آج پشاور جاتے ہوئے لاہور میں اترے۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگے ——— مسلم لیگ کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے سرحد کی وزارت ختم نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر خان صاحب نہایت دلچسپ بزرگ ہیں۔ کہنے لگے ——— اولف کیرو پاگل ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم رات کو نیند سے بوکھلا کر اٹھ پڑتا ہے اور اپنے باغ میں ٹہلنے لگتا ہے۔ اس نے کچھ فائلیں طلب کی تھیں مگر میں نے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ کیرو تمام فساد کی جڑ ہے اس نے فساد کرائے ہیں مگر ہم اسے سرحد سے نکال کر چھوڑیں گے۔

راولپنڈی جہلم اور مری کے علاقوں میں گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ آٹھ سو سے زیادہ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔ ان گرفتاریوں کے باوجود امن ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ امن قائم ہو سکتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ پنجاب میں مارشل لا نافذ کیا جائے اور سرحد سے اولف کیرو کو ہٹا کر کوئی دوسرا گورنر مقرر کر دیا جائے اور قبائلی علاقہ کا نظم و نسق وزارت کے سپرد کر دیا جائے۔

۳۰ر مارچ

لارڈ ویول کی طرح لارڈ مونٹ بیٹن نے بھی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ مہاتما گاندھی اور مسٹر لیاقت علی خاں مل آئے ہیں اور اب مسٹر جناح کی باری ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا کام ہے حکومت کے اختیارات منتقل کرنا لیکن یہ اختیار کس کو دیئے جائیں گے۔ لندن کے اکانومسٹ نے لکھا ہے کہ برٹش گورنمنٹ تقسیم کے حق میں نہیں۔ لیکن حکومت کے اختیارات متحدہ ہندوستان کو منتقل کرنا پڑیں یا تقسیم شدہ ہندوستان کو وہ زیادہ انتظار نہیں کرے گی۔

یہ ایک نیا پانسہ ہے۔ ایک اشارہ ہے مسلم لیگ کو کہ وہ تقسیم وطن پر اصرار کرے۔ اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں۔ مسٹر جناح کی طرف سے پاکستان کے قیام پر اصرار کی توقع کرنی چاہیئے اور اگر اس کے بعد پاکستان قائم ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں ہوگا۔

ملک خضر حیات سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے اشارے اشارے میں انکشاف کر دیا کہ گورنر نے بارہا ان پر مستعفی ہونے کے لئے دباؤ ڈالا۔ مگر وہ انکار ہی کرتے رہے۔ لیگ نے ایجی ٹیشن شروع کی وہ نئی دہلی گئے اور تجویز پیش کی کہ "اگر مجھے گورنر بنا دیا جائے

تو فساد ایک دن میں ختم ہو جائے۔ لیکن کسی نے پرواہ نہ کی۔ اس لئے میں مستعفی ہو گیا۔"

لاہور میں اب قدرے امن ہے۔ بازار کھل رہے ہیں مگر اکا دکا وارداتیں ہو رہی ہیں اور کرفیو بھی لگا ہوا ہے۔

تیسرا باب

۵ر اپریل ۱۹۴۷ء

لاہور اور امرتسر میں امن قائم ہو گیا ہے۔ کئی دن سے آگ لگنے یا چھرا گھونپنے کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ لیکن سرحد جل رہا ہے۔ اگلے روز کوہاٹ راولپنڈی لائن پہ ایک ٹرین لوٹ لی گئی۔ اور دو درجن سے زیادہ مسافر موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔

پشاور سے خبر آئی ہے کہ پیر مانکی شریف کو گرفتار کر لیا گیا۔ پیر مانکی شریف صوبہ سرحد میں مسلم لیگ، کی تحریک کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ تحریک کا ظاہرا طور پر مقصد تو شہری آزادی حاصل کرنا ہے، مگر حملے کئے جا رہے ہیں اقلیتوں پر۔ اور جہاد کے نعرے بلند کر کے قبائلیوں کو بھڑکایا جا رہا ہے۔

خدا کی شان ہے پیر مانکی شریف کچھ دن پہلے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے تنخواہ دار

ایجنٹ تھے اور فقیرایپی اور ان کے پیروؤں کے خلاف پراپگنڈہ کر کے انگریزوں کی مدد کرتے تھے۔ آج وہ "شہری آزادی" کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر خان صاحب دہلی سے لوٹتے ہوئے لاہور اُترے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کھلکھلا کر کہا ـــــــ یہ شخص پٹھانوں کا پرانا غدار ہے۔ میں نے اس کا نام سنا تھا مگر دیکھا ابھی ہے۔ مدت ہوئی ایک دن گورنر کی کوٹھی کے برآمدے میں اس کو حکم کاٹتے دیکھا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا یہ شخص پیر مانکی شریف ہے۔

ڈاکٹر خان صاحب پنڈت جواہر لال کو سرحد اور قبائلی علاقہ کا دورہ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دورہ یقیناً تاریخی لحاظ سے اہم ہوگا۔

۶ / اپریل ۱۹۴۷ء

پاکستان قائم ہو رہا ہے۔ سردار پٹیل نے مسٹر جناح کی پیشکش کے جواب میں بیان جاری کیا ہے کہ ـــــــ "پاکستان صرف انصاف کی بنا پر حاصل کیا جاسکتا ہے ہتھیاروں اور تلواروں کے خوف سے نہیں۔ صحیح معنوں میں اس وقت سمجھوتہ ہو سکتا ہے جب ہتھیار رکھ دئے جائیں اور تلوار استعمال نہ کی جائے۔"

دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ کانگرس آج تک جس چیز کی مخالفت کرتی رہی ہے اب مسلم لیگ کی متشددانہ تحریک کے نتیجہ میں ماننے کے لئے آمادہ ہوگئی ہے سردار پٹیل کا بیان ایک اشارہ ہے کہ لیگ خون خرابہ بند کر دے تو کانگرس پاکستان کا قیام مان لے گی۔

کچھ دن پہلے مجھے اس طرح کی افواہوں پر یقین نہیں آتا تھا لیکن اب شک ہونے

لگا ہے۔ دیوان چمن لال کسی کام پر دہلی سے آئے تھے وہ کہہ رہے تھے
سمجھوتہ ہونے والا ہے۔ سمجھوتہ کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں فریق جھکیں اور
پاکستان قائم ہو جائے۔

۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء

شبہے یقین میں بدل رہے ہیں۔ مسلم لیگ پنجاب میں وزارت قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ نواب ممدوٹ نے اسمبلی کے ہریجن ممبروں کو خریدنے کے لئے دو لاکھ روپیہ اکٹھا کیا تھا مگر ہریجن ممبروں نے فروخت ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ اب ایک طرف سے سردار پٹیل نے پاکستان کا قیام ماننے کا اشارہ کر دیا ہے اور دوسری طرف سے پنجاب میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر سیٹھ سدرشن اور بنگال میں صوبہ کانگرس کی اگزیکٹو نے تجویز پیش کی ہے کہ دونوں صوبوں میں دو دو وزارتیں قائم کر دی جائیں ایک کانگرس کی اور دوسری لیگ کی۔ صاف ظاہر ہے کہ دو وزارتیں قائم ہوتے ہی دونوں صوبے دو حصوں میں بٹ جائیں گے اور اس طرح سے مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور ہندو اکثریت کے علاقے ہندوستان میں شامل ہو جائیں گے۔

یہ دو قوموں کی تھیوری قبول کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ ایسا ہوتے ہی ہند سے مسلمانوں کو اور پاکستان سے ہندوؤں اور سکھوں کو بھاگنا پڑے گا اور قتل عام ہو گا۔

حیرانی ہوتی ہے کہ ان تجویزوں پر عوام سے کیوں مشورہ نہیں کیا جاتا۔ لیڈر آپس میں کیوں فیصلے کر رہے ہیں۔

۱۱ / اپریل ۱۹۴۷ء

چنگاریوں کو راکھ میں دبا کر محفوظ رکھا جا رہا ہو تو آگ کیوں نہ بھڑکے۔ کل لاہور میں پھر چھرے چلنے لگے۔ دس بجے رات کو سیتلا مندر کے سامنے تانگہ آکر رکا۔ اس سے دو آدمی اترے۔ ایک نے مندر کے چوکیدار کو چھرا گھونپ دیا۔ اور پھر دونوں تانگہ میں سوار ہو کر بھاگ گئے اور پھر جگہ جگہ چھرے چلنے لگے۔

صبح سویا ہوا تھا کہ اس پیغام سے چونک پڑا کہ شری ویریندر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ دفتر جاؤں تو شاید میرے وارنٹ بھی پہنچ چکے ہوں۔ گرفتاری کا خوف نہیں۔ خدشہ اس بات کا تھا کہ اگر مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا تو اخبار کا کام کیوں کر ہوگا۔ میں نے ورما صاحب کو کہہ دیا کہ اگر میرے وارنٹ آئیں تو کہہ دیا جائے کہ میں دہلی جا چکا ہوں گھر میں بھی یہ کہہ دیا اور خود ایک دوست کے ہاں ڈیرا ڈال دیا۔ وہاں سے لیڈنگ آرٹیکل بھجوا دیا۔ میرا ارادہ اسی طرح سے کام جاری رکھنے کا تھا مگر بے چین طبیعت نے ایک جگہ بیٹھنے نہ دیا اور دفتر کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

خیر گزری کہ گرفتار نہیں کیا گیا۔ مہاجن صاحب نے ریسٹورنٹ میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا کہنے لگے دفتر میں آجاؤ۔ ویریندر جی رہا ہو کر آگئے ہیں اور اب گرفتاری کا کوئی اندیشہ نہیں۔

امرتسر میں بھی فساد کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ کل رات شہر میں ۱۴ جگہ آگ لگی۔ سرحد کے مختلف شہروں اور راولپنڈی اور ملتان سے دھڑا دھڑ لوگ بھاگ کر آرہے ہیں۔

۱۷ اپریل ۱۹۴۷ء

لاہور میں قدرے سکون ہے مگر اکا دکا حملے ہو رہے ہیں مگر امرتسر میں خوفناک فساد ہو رہا ہے۔

کل خان عبد الغفار خاں سے ریلوے اسٹیشن پر ملاقات کی۔ بادشاہ خاں وائسرائے سے ملنے کے بعد پشاور واپس جا رہے تھے۔ ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ سرحد کے فسادات کی ذمہ داری لیگ اور گورنر پر ہے۔ گورنر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وزارت مستعفی ہو جائے اور حکومت لیگ کے حوالے کر دے یا دفعہ ۹۳ نافذ کر دے مگر ہم مستعفی ہونے کے لئے تیار نہیں کیونکہ عوام ہمارے ساتھ ہیں اگر گورنر جنرل چاہے تو بھی وزارت مستعفی نہیں ہوگی۔

میں نے پوچھا ——— سرحد میں فساد کرنے والے کون ہیں؟ بادشاہ خان نے کہا ——— پنجاب کے اخبار اور پنجاب کے لیڈر۔ سرحد میں کوئی شخص فساد نہیں چاہتا۔ مگر پنجاب کے لیڈر اور اخبار ہی آگ لگا رہے ہیں۔

بات درست ہے کہ اگر پنجاب کے اخباروں اور لیڈروں کا داخلہ بند کر دیا جائے تو سرحد میں امن و امان ہو جائے۔ آج راجہ غضنفر علی خاں اور ان کے ساتھی ہی تو سرحد کے چکر کاٹ رہے ہیں۔

۱۹ اپریل ۱۹۴۷ء

لیگ اور کانگرس میں سمجھوتہ ہونے والا ہے۔ دیوان چمن لال خبر لائے ہیں کہ پاکستان قائم کرنے کا اصول تو طے ہو چکا ہے اور مسلم لیگ پنجاب و بنگال اور آسام کی تقسیم کا اصول

بھی مان چکی ہے۔ لیکن اب تقسیم کی تفاصیل طے کرنا باقی ہیں۔

کل مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح کا ایک مشترکہ بیان شائع ہوا تھا کہ حال ہی میں ملک میں جو لاقانونی اور تشدد کے واقعات ہوئے ہیں ہم ان پر اس بات کا خیال کئے بغیر کہ ان میں حملہ آور کون تھا۔ اور مظلوم کون افسوس کرتے ہیں۔ ان واقعات نے ہندوستان کی نیک نامی پر دھبہ لگایا ہے۔ ہم اس بات کی مذمت کرتے ہیں کہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے کسی وقت بھی طاقت سے کام لیا جائے اور ہم ہندوستان کے سب فرقوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف تشدد اور انتشار پھیلانے والے کاموں سے احتراز کریں، بلکہ اپنی تحریر اور تقریر میں بھی ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ جن سے تشدد کے لئے اشتعال پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

معلوم نہیں اس اپیل کا کیا اثر ہوگا۔ سرحد میں تو بدستور فساد ہو رہے ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں قبائلیوں نے داخل ہو کر سارا بازار جلا دیا ہے بسنیا ہال اور ٹاؤن ہال تک کی عمارتیں جل گئی ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلم لیگ نے ایک باقاعدہ جلوس نکال کر کیا۔ آدھا شہر جل چکا ہے یہی حالت ٹانک کی ہے۔ حیات خیل پیرداد اور گرد و نواح کے تمام گاؤں جل گئے ہیں فسادات کا شرمناک پہلو یہ ہے کہ عورتیں اور بچے اغوا کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ پولیٹیکل ایجنٹ ایک کرنل صاحب ہیں۔ ان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اپنے علاقے میں وہی فساد کرا رہے ہیں انہوں نے پہلے تو اقلیتوں کو اپنی کوٹھی میں پناہ دی اور پھر ان پر حملہ کرا دیا۔

۲۰ اپریل ۱۹۴۷ء

سرحد میں فسادات کی آگ انگریز گورنر سر اولف کیرو لگا رہے ہیں۔ وزارت بے بس

ہے۔ کیونکہ سرحد کے تمام افسر گورنر کے ماتحت ہیں اور قبائلی علاقہ کا نظم ونسق براہِ راست گورنر کے ہاتھوں میں ہے۔ وزارت چاہے تو کسی ایک شخص کو بھی گرفتار نہیں کر سکتی۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور ٹانک جل چکے ہیں۔ گول بازار بھی لٹ گیا ہے۔ کوٹ جائی۔ گڑھی ضیسورا اور گڑھی عمر خان اور دوسرے نواحی دیہات بھی جل گئے ہیں۔ کل سرحد اسمبلی کے سپیکر نواب زادہ اللہ نواز خان آئے تھے۔ بڑے زندہ دل نوجوان ہیں۔ کہنے لگے —— اگر رولف کیرو کو برطرف کر دیا جائے تو ایک دن میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

پنجاب تقسیم ہو رہا ہے۔ انگریز پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ کل ملک خضر حیات سے ملاقات ہوئی —— انہوں نے کہا اگر پنجاب منقسم ہو گیا تو تباہی آ گئی اور ہندو سکھ اور مسلمان پچھتائیں گے۔

ملک خضر حیات ایک خاموش طبع انسان ہیں۔ اخبار والوں سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ مجھ سے بھی ملے تو کہنے لگے کہ وعدہ کرو کہ بات چیت کا ایک لفظ بھی شائع نہیں کرو گے۔ میں نے وعدہ کیا۔

ملک صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگے —— "میرا خاندان انگریزوں کا وفادار رہا ہے۔ میں نے بھی کبھی انگریز کی مخالفت نہیں کی لیکن اگر میرے بس کی بات ہو تو آج میں انگریز کے خلاف "جہاد" کر دوں۔"

میں نے پوچھا —— آخر کیا بات ہے؟

ملک صاحب کہنے لگے —— مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب تباہ ہو جائے گا۔ اور انگریز نے اس کے لئے میدان تیار کر لیا ہے۔ مجھے استعفےٰ دینے پر مجبور کرنے کیلئے حالات پیدا کئے گئے۔ مسلم لیگ خوش ہے مگر اس کے لیڈروں کو معلوم نہیں کہ تقسیم ہوتے

ہی انگریز کے تقسیم کئے ہوئے ہتھیار سارے صوبہ میں قتل عام کرائیں گے اور کوئی شہر کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں محفوظ نہیں رہے گا۔

ملک صاحب کے ایک ساتھی نے کہا ــــــــ ہم تقسیم پنجاب روک سکتے تھے ہم نے دہلی میں سردار پٹیل سے کہا تھا کہ اگر پنجاب کے گورنر کو ہٹا کر ملک صاحب کو گورنر بنا دیا جائے تو سارے صوبہ میں امن قائم کیا جا سکتا ہے مگر کسی نے پرواہ ہی نہیں کی اور اس کا نتیجہ آپ دیکھ بھی رہے ہیں۔

میں نے پوچھا ــــــــ ملک صاحب! اب آپ کیا کریں گے؟

ملک صاحب کہنے لگے ــــــــ اب کیا کرنا ہے۔ اب تو دوسرے لوگ ہی کچھ کریں گے میں تو شاید اس ملک کو بھی چھوڑ جاؤں۔ اپنی آنکھوں سے یہ تباہی دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔

۱۳؍اپریل ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر خان صاحب نے سرحد میں لیگ کے تمام قیدیوں کو چھوڑ دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے گاندھی جی کے مشورے پر یہ قدم اٹھایا ہے گاندھی جی نے انہیں کہا تھا کہ ان کی اور مسٹر جناح کی مشترکہ اپیل کے پیش نظر امن اور آشتی کے لئے ان قیدیوں کی رہائی ضروری ہے۔

تاہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوبہ سرحد کے لوگوں کا کیا بنے گا؟ پنڈت جواہر لال نے گوالیار میں ریاستی پرجا منڈل کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کی جائے گی۔ انہوں نے سرحد کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کی تقریر میں اس بات

کا اشارہ موجود ہے کہ سرحد کے لوگوں کی رائے معلوم کی جائے گی، سرحد کے لوگوں کی روایات مدنظر رکھی جائیں تو وہ کبھی پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے لیکن رائے کون معلوم کرے گا۔ انگریز گورنر اور اس کی ایڈمنسٹریشن؟ جنہوں نے سارا سرحد تباہ کر دیا۔ انہی لوگوں پر سرحد کے عوام کی رائے جاننے کی ذمہ واری سونپی گئی تو ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

لاہور کی فضا سے اُکتا گیا ہوں۔ شام ہوتے ہی کرفیو لگ جاتا ہے اور بازار سونے ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں کے دن ہیں سیر کے لئے بھی مکان سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ بظاہر امن ہے مگر دونوں طرف سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کیا پتہ کہ کب پھر آگ بھڑک اٹھے۔ جی چاہتا ہے کہ کچھ دن کے لئے لاہور سے نکل جاؤں۔ دہلی جا سکتا ہوں یا راولپنڈی۔ پشاور سے بھی دوستوں کے خط آ رہے ہیں۔ کیوں نہ چند دن کے لئے وہاں ہی چلا جاؤں۔ اور پھر شاید یہ سرحد میری آخری سیاحت ہو۔

۲۴ر اپریل ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر خان صاحب کی اپیل کا کوئی خوش گوار اثر نہیں ہوا۔ راجہ غضنفر علی خاں کل پشاور جاتے ہوئے ملے تھے۔ کہنے لگے۔ لیگ کے اسیروں کی رہائی سے کیا بنے گا۔ وزارت ٹوٹنی چاہیئے حکومت مسلم لیگ کے ہاتھوں میں منتقل کرنی چاہیئے۔

راجا صاحب پشاور جا رہے ہیں۔ یقین کرنا چاہیئے کہ کوئی گل کھلا کر ہی آئیں گے۔ سرحد میں پہلے ہی فسادات ختم نہیں ہوئے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں ابھی تک آگ لگی ہوئی ہے شیر کوٹ۔ بلوٹ۔ ٹکارہ اور دوسرے دیہات میں بھی لوٹ مار ہو رہی ہے۔ عورتوں کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ دیہات میں چالیس ہزار سے زیادہ لوگ گھرے ہوئے ہیں ضلع ہزارہ

میں بالاکوٹ کو لوٹ لیا گیا ہے۔ کلاچی ابھی تک محفوظ تھا لیکن اب وہاں بھی حملے کئے جا رہے ہیں اور پشاور میں مظاہرے کئے جا رہے ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن سرحد جا رہے ہیں۔ پشاور کے علاوہ قبائلی علاقہ میں بھی ان کے دورے کا پروگرام بن رہا ہے۔

مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ وائسرائے کے دورہ کے بعد وزارت پر مزید دباؤ ڈالا جائے گا۔

۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے ملک کی تقسیم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہاؤس کو نہ صرف ہندوستان کی تقسیم کے لئے تیار رہنا چاہیئے بلکہ کچھ صوبوں کی تقسیم کے لئے بھی۔

مسلم لیگ کے ممبر اجلاس کا بائیکاٹ کئے ہوئے ہیں کیونکہ انہیں امید ہے کہ برٹش گورنمنٹ ملک کی تقسیم مان لے گی۔

مسلم لیگ کے لیڈر اس دوڑ دھوپ میں ہیں کہ ریاستی حکمران بھی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے اجلاس میں شامل نہ ہوں۔ حیدرآباد۔ بھوپال۔ کشمیر کے حکمرانوں نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ گو بڑودہ۔ بیکانیر۔ اودے پور۔ کوچین۔ ریوا اور پٹیالہ کے نمائندے اجلاس میں شامل ہو رہے ہیں۔

۷ مئی ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر خان صاحب ڈٹے ہوئے ہیں۔ گورنر سرحد نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو متاثر کرنے

کے لئے ان کی آمد پر پشاور کے کنگھم پارک میں ہزاروں قبائلیوں کا مظاہرہ کرا دیا تھا۔ ایک دوست پشاور سے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ سادہ لوح قبائلیوں کو خود بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ وائسرائے کیوں آ رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو تو کھانڈ اور کپڑے کا راشن دینے کا جھکمہ دے کر بلایا گیا۔ اور کئی ایک کو کہا گیا۔ انگریز جا رہا ہے۔ اپنے الاؤنسوں اور تنخواہوں کے لئے درخواستیں دو۔ اس طرح سے دس بارہ ہزار قبائلی اکھٹے کر لئے گئے اور وائسرائے کو یہ کہا گیا۔ کہ یہ سب ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت توڑنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر خان صاحب اور خان عبدالغفار خان نے اعلان کیا ہے کہ وزارت کسی حالت میں مستعفی نہیں ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح کی امن کی اپیل کے باوجود سرحد میں لوٹ مار جاری رہی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک پنجاب کی تقسیم کے لئے سمجھوتہ نہیں ہوا۔ نواب ممدوٹ اور سردار شوکت حیات نے اعلان کیا ہے کہ —— سارا پنجاب پاکستان میں شامل ہوگا۔ گیانی کرتار سنگھ نے مطالبہ کیا ہے کہ چناب تک کا علاقہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہیئے۔

اینٹی پاکستان فرنٹ کے ڈکٹیٹر سردار جسونت سنگھ ایک دلچسپ بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے وائسرائے اور پنڈت جواہر لال نہرو کو تار بھیجا ہے کہ —— کابل قندھار۔ پنجاب کشمیر اور دہلی کے علاقے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں سکھوں کے ماتحت تھے۔ اور برطانیہ نے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے اب جبکہ انگریز واپس جا رہے ہیں تو یہ علاقے غیر مشروط طور پر سکھوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ سردار جسونت سنگھ

کی طرح سندھ کی ہندو پنچایت نے بھی ایک دلچسپ مطالبہ کیا۔ انہوں نے وائیسرائے کو تار بھیجا ہے کہ کراچی اور سکھر کو پاکستان سے الگ قرار دے کر ایک الگ صوبہ بنا دیا جائے۔

قاضی عطا اللہ خان دہلی سے ہو کر پشاور جا رہے تھے۔ قاضی صاحب پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ ملاقات ہوئی تو کہنے لگے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گورنر رولف کیرو کو بھاگنا نہ پڑا تو ہمارا ذمہ۔

۹ مئی ۱۹۴۷ء

ہندوستان کو متحد رکھنے کے لئے غالباً مہاتما گاندھی کی یہ آخری کوشش تھی۔ ۶ مئی کو انہوں نے مسٹر جناح سے ملاقات کی۔ ایک گھنٹہ کے بعد مسٹر جناح نے بیان جاری کیا

"مہاتما گاندھی تقسیم کا اصول نہیں مانتے۔ ان کا خیال ہے کہ تقسیم لازمی نہیں مگر میری رائے ہے کہ پاکستان کا قیام ہی ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا واحد حل ہے۔"

قاضی عطا اللہ خان نے کل بتایا تھا کہ گاندھی جی زندگی میں پہلی مرتبہ مایوس نظر آتے تھے۔ انہوں نے خان عبد الغفار خان سے تخلیہ میں بات چیت کی تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے کہا ——— مجھے ایسے لگتا ہے گویا ایک عظیم تباہی آ رہی ہے۔ مجھے راتوں کو بھیانک خواب آتے ہیں۔ میں چونک اٹھتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا لاشوں کے انبار لگ رہے ہوں۔ سناٹے میں بچوں اور عورتوں کے چیخنے کی بھیانک آوازیں آ رہی ہوں اور تب میں کانپ اٹھتا ہوں۔ میں نے مسٹر جناح سے کہا ——— کیا آپ کو یہ آوازیں نہیں آتیں۔ کیا آپ کو یہ بھیانک تصور نہیں آتا۔ مگر مسٹر جناح

خاموش رہے۔ سگرٹ کے کش لگاتے ہوئے انہوں نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا اور کہا ——— "مسٹر گاندھی! مسلم لیگ فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ فیصلہ کسی طرح بدل نہیں سکتا۔ اور لاشیں بس ——— تو نئی حکومتوں کی بنیاد ان ہی پر قائم ہوتی ہے۔ اس میں مجھے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

آج خان عبد الغفار خان پشاور جاتے ہوئے گزرے۔ دہلی میں وائسرائے سے ملاقات کر آئے ہیں۔ میں نے پوچھا ——— لارڈ ماؤنٹ بیٹن کیا فرماتے ہیں؟

بادشاہ خاں کہنے لگے ——— معلوم ہوتا ہے وہ کوئی گل کھلانا چاہتے ہیں۔ سر اولف کیرو کے اشاروں پر رقص کر رہے ہیں۔ مگر میں نے کہہ دیا ہے کہ "اگر سرحد سے سر اولف کیرو کو نہ ہٹایا گیا اور دوبارہ انتخابات کرائے گئے تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اب تک ہم نے خدائی خدمتگاروں کو جوابی مظاہروں سے روکے رکھا ہے مگر ہم مجبور ہو گئے تو تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تصادم ہو کر رہے گا۔

سرحد میں خدائی خدمتگاروں نے بھی "زلمئی پختون" کے نام سے مسلح جماعت قائم کر دی ہے۔ خان عبد الغنی خان اس کے بانی ہیں۔ اور انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ——— "ہمیں تشدد پر بھروسہ ہے۔ اگر کسی نے کسی سرخپوش پر حملہ کیا تو اس کا بدلہ لیا جائے گا۔"

۱۲ مئی ۱۹۴۷ء

چند سال بعد جب ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ لکھی جائے گی یا ماں باپ، اپنے بچوں کو ان دنوں کے واقعات سنائیں گے تو شاید کسی کو یقین نہیں آئے گا کہ فسادات میں اس قدر شرمناک واقعات بھی پیش آسکتے ہیں۔

امرتسر میں پرسوں ایک ٹریجڈی پیش آئی۔ کچھ لوگ ایک لڑکے کی ارتھی لے کر شمشان بھومی گئے۔ لاش جلانے کے بعد واپس آ رہے تھے تو لاہوری دروازے کے باہر فسادیوں نے انہیں گھیر لیا اور انہیں اٹھا اٹھا کر دیواروں سے پٹخ پٹخ کر مار دیا اور پھر لاشوں اور سسکتے جسموں پر پٹرول ڈال کر آگ لگا دی۔ سات آدمی اس غنڈہ گردی کا شکار ہوئے اور پانچ سے زیادہ جھلس گئے۔ پولیس اور فوج اس وقت پہنچی جب معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ فوراً اجتماعی جرمانہ کر دیا گیا اور پولیس مکانوں میں گھس گھس کر جرمانہ وصول کرنے لگی۔

کس قدر شرمناک حرکتیں ہیں۔ ہر شخص کا دل دہل گیا۔ ہر شخص کانپ اٹھا لیکن سوال یہ ہے کہ پولیس اور فوج کیا کر رہی ہے۔ پہلے تو فوج ہوتے ہوئے بھی یہ ٹریجڈی ہو گئی۔ حملہ آور بھاگ گئے اور بے گناہ گرفتار ہونے لگے۔ شریف عورتوں کی بے عزتی ہوئی اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر گھروں سے باہر لایا گیا۔

امرت سر کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایک انگریز ہے اور فوج بھی انگریز۔ مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کے گھر جلا رہے ہیں۔ چھرے گھونپ رہے ہیں اور گولیاں چلا رہے ہیں اور انگریز مزے سے ان منظروں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

حالت سنگین ہے امرتسر میں کل پچیس مرتبہ گولی چلی ہے۔ لاہور میں گولی تو نہیں چلی مگر پھر سے آگ لگ رہی ہے اور پھر سے قتل و خون شروع ہونے کا خوف ہے۔

چوتھا باب

۱۶ر مئی ۱۹۴۷ء

سرحد اسمبلی کے سپیکر نواب زادہ اللہ نواز خاں کا ایک رجسٹرڈ خط ملا ہے۔ انہوں نے ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ جس میں مطالبہ کیا گیا ہے۔ سرحد اور قبائلی علاقہ کی ایک آزاد ری پبلک قائم کر دی جائے۔ نواب زادہ نے لکھا ہے کہ

"اگر ہندوستان کی تقسیم لابدی ہے تو میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تمام پشتو بولنے والے لوگوں کی ایک آزاد ری پبلک قائم کر دی جائے۔ ہم نہ تو پنجاب میں شامل ہونا چاہتے ہیں نہ ہی سندھ میں"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب زادہ اللہ نواز خاں کو یقین ہو چکا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ہو کر رہے گی اور انگریز ہندوستان سے چلا جائے گا۔ پہلی بات شاید ہو جائے

لیکن انگریز چلا جائے۔ مجھے اس پر وشواس نہیں ہوتا۔

امرتسر میں چھرے چل رہے ہیں اور جگہ جگہ آگ لگ رہی ہے۔ لاہور میں بظاہر امن ہے مگر کرفیو لگا ہوا ہے، اور اکا دُکا حملے بھی ہو رہے ہیں کتنی شرمناک بات ہے کہ چھرے گھونپے جا رہے ہیں، تانگے والوں کو فقیروں کو غریبوں کو۔ کرشن نگر میں کچھ لوگ ایک مسلمان تانگے والے کو سواریاں اتارنے کے بہانے لے آئے اور اسے چھرا گھونپ دیا۔ موچی دروازہ میں ایک مسلمان فقیر کو مسلمانوں نے ہندو سمجھ کر چھرے کا شکار بنا دیا۔ رات کو اللہ اکبر اور ہر ہر مہادیو کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ گویا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور مہادیو ان کے کارناموں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔

حاجی یعقوب خاں پشاور سے آئے ہیں۔ وہ قبائلی علاقہ میں گئے تھے اور فقیر اپی کا خط لائے تھے۔ یہ خط انہوں نے مجھے دیا کہ میں اسے اخباروں میں چھپوا دوں۔ کیونکہ مسلم لیگ، ان کے نام سے اپنی حمایت میں پروپیگنڈہ کر رہی ہے۔ خط حسب ذیل ہے۔

"میرے یعقوب خاں بھائی!

السلام علیکم۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔ کچھ دن کے لئے گریز کے علاقہ میں گیا تھا۔ جب میں غر میں واپس آیا تو تمہارا پیغام ملا۔ اور خیریت معلوم ہوئی۔ مجھے اس بات سے انتہائی خوشی ہوئی کہ بنوں کے پٹھان لیڈر انگریزوں کے جال میں نہیں پھنسے۔ میری یہ بات اچھی طرح کان لگا کر سنو کہ انگریز گورنر اس کوشش میں ہے کہ وہ پرانے ٹوڈیوں کے حوالے پٹھانوں کی حکومت کر دے لیکن مجھے یقین ہے کہ پٹھان اسے ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

کیرو سرحد کا ہی نہیں بلکہ پٹھانوں کا اصل دشمن ہے۔ وائسرائے ہند کے استقبال کے لئے جو لوگ گئے تھے۔ وہ پولیٹیکل ایجنٹ کے تنخواہ دار تھے ان کا تعلق نہ تو ہم سے ہے نہ ہی سرحد سے۔

میری تم سے درخواست ہے کہ تم پٹھان قوم کی سربلندی کے لئے محنت اور کوشش کرو۔ وقت ضرورت اس کام میں ہم آپ لوگوں کی مدد کریں گے۔ ہم تو صرف غیر ملکی حکومت کے دشمن ہیں اور کسی کے نہیں۔

(حاجی مرزا علی خاں فقیر آف اپی) "

۱۵ مئی ۱۹۴۷ء

لاہور میں دبی ہوئی آگ پھر سلگ پڑی ہے۔ بھاٹی دروازہ۔ گمٹی بازار۔ لاہوری دروازہ اور دوسرے کئی مقامات میں قتل اور آتشزدگی کے واقعات پھر شروع ہو گئے۔ میرا ایک چپڑاسی اخبار تقسیم کرنے کے لئے لوئر مال روڈ پر گیا تھا کسی نے اسے چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ کل رات اتنی آگ لگی کہ میل دو میل سے دکھائی دے رہی تھی۔ موچی دروازہ کے اندر پیپل دہڑہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس جگہ کے لوگ مارچ سے مقابلہ کر رہے ہیں اور ان کے آدھے سے زیادہ مکان جل گئے ہیں۔ امرتسر کی ٹریجیڈی لاہور میں بھی دہرائی گئی ہے۔ کل ہیرا منڈی میں ایک غریب آدمی اور اس کے بچے کو پکڑ کر دیواروں سے پٹخ پٹخ کر ہلاک کر دیا گیا اور پٹرول ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ مصری شاہ میں ایک موٹر سائیکل سوار سے یہی سلوک کیا گیا۔ گرانڈ ٹرنک روڈ پر سکھ نیشنل کالج کے تین طالب علموں کو اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

آج تو اخبار شائع کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ کیونکہ سٹاف ہی مکمل نہیں ہو سکا جب چاروں طرف آگ لگ رہی ہو اور چھرے چل رہے ہوں تو یہ لوگ دفتر تک کیونکر پہنچیں۔

محلہ سوہن کے یہ لوگ چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ کئی دن سے ان پر حملے ہو رہے ہیں۔ آج جب کچھ ذمہ دار لوگوں نے انسپکٹر جنرل مسٹر بلیٹ کو ٹیلی فون کیا تو طنزاً جواب ملا۔ یہ آزادی کا نتیجہ ہے۔

یہ ایک انگریز افسر کی ذہنیت کا نمونہ ہے۔ شہر میں گورا فوج آگئی ہے۔ لیکن جو ذہنیت مسٹر بلیٹ کی ہے وہی دوسرے گورے افسروں کی ہے۔ فسادیوں کو گرفتار کرنے کی بجائے یہ لوگ بے گناہ آدمیوں کو پریشان کر رہے ہیں۔

کل رات گھر جانا ہی ممکن نہ رہا۔ کیوں کہ راستہ خطرناک تھا۔ رات کو دفتر میں ہی سو گئے۔ دفتر کے باہر کھلا میدان ہے چاروں طرف فصیل ہے۔ گو یہ علاقہ محفوظ ہے مگر چاروں طرف خون خرابہ ہو رہا ہے تو کونسی جگہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ رات کو سوتے وقت سامنے کی بلڈنگ میں ریڈیو کے گانے سنائی دے رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ زندگی کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔

میں تو اس زندگی سے تنگ آگیا ہوں کہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ سوچتا ہوں کہ لاہور چھوڑ کر چند دن کے لئے پشاور یا دہلی چلا جاؤں۔

۱۷ مئی ۱۹۴۷ء

لاہور تو جہنم کا نمونہ بن رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فسادیوں کی آگ سے کوئی شخص زندہ بچ نہیں سکے گا رنگی دروازہ کے باہر فسادیوں نے دو عورتوں کو تانگے سے اتار

لیا اور چھرے گھونپ کر ان کے سسکتے جسموں کو پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ محلہ سوہن ہیں پہلے تو گھرے ہوئے مکانوں پر پولیس نے چھاپہ مارا اور تمام مردوں کو گرفتار کر لیا۔ ان کی عورتوں نے اکیلے رہ جانے کے باوجود مقابلہ کیا مگر پولیس نے انہیں بھی گرفتار کر لیا۔ اور اب ان عورتوں کو حوالات میں پریشان کیا جا رہا ہے۔

کئی دن سے جو افواہیں پھیل رہی تھیں۔ کل رات، درست ثابت ہوئیں۔ کرشن نگر کے قریب راج گڑھ پر ایک ہجوم نے آدھی رات، کے بعد جیپ گاڑیوں اور ٹرکوں پر سوار ہو کر حملہ کیا اور آدھی سے زیادہ بستی تباہ کر ڈالی۔ ہندوؤں کی طرف سے غالباً یہ پہلا منظم حملہ تھا۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد نہ جانے کتنی ہے۔ مگر کہنے اور سننے والے درجنوں اور سینکڑوں تک کا ذکر کر رہے ہیں۔

ہر شخص ہیرو بنا ہوا ہے۔ ایک صاحب آئے۔ کہنے لگے —— میں نے حملہ میں کمان کی تھی۔ دوسرے نے اپنے آپ کو کمانڈر ظاہر کیا۔ تیسرے سے ایک ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے۔ رات کو حملہ کیا۔ ایک عورت بچے کو لئے کر سوئی ہوئی تھی۔ مجھے پستول لئے دیکھ کر چونک پڑی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگی کہ بچے کو چھوڑ دو۔ مگر میں نے اس کے بچے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ور اس کی ماں کو وہاں ہی ٹھنڈا کر دیا۔

غالباً فضا کی بلندیوں میں پرماتما بیٹھا ہوا اس واقعہ کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا ہو گا۔

اس حملہ کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب الٹا مسلمان لاہور سے بھاگ رہے ہیں۔ لیکن بیگم شاہ نواز دھمکی دے گئی ہیں کہ "اگر ہم نے سارے لاہور کو جہنم نہ بنا دیا تو میرا نام بیگم

شاہ نواز نہیں"۔

جس علاقہ میں میں رہتا ہوں۔ وہاں ایک لاکھ روپیہ جرمانہ لگ گیا ہے اور ۳۶ گھنٹے کا کرفیو۔ بازاروں اور گلیوں میں فوج گشت کر رہی ہے۔ میں نے کھڑکی سے سر نکالا تو ایک سپاہی نے بندوق تان لی۔

کیا شان ہے اس فوج اور اس کے سپاہیوں کی۔ سارا شہر جل رہا ہے لیکن کسی کو اس آگ کو بجھانے کی ہمت نہیں۔ فسادیوں کو گرفتار کرانے کی توفیق نہیں۔ اور نشانے باندھے جاتے ہیں تو ان لوگوں پر جو بے گناہ ہیں۔

بمبئی کے دو اخبار "خلافت" اور "اقبال" نگاہوں سے گزرے۔ ان کے مقالات پڑھ کر تعجب ہوا کہ جو لوگ، یہ جانتے ہوئے بھی کہ پاکستان کے قیام کے بعد انہیں ہندوستان میں رہنا ہے۔ ہندوستان کے مفاد کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ "خلافت" نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی مسلم ریاستوں کو ہندوستان سے الگ اور خود مختار رہنا چاہیئے۔ اور "اقبال" نے لکھا ہے کہ ہندو اکثریت کے صوبوں کی تقسیم کر دی جائے۔

راج گڑھ کا ردِ عمل رسول پورہ میں ہو گیا ہے اب کے مسلمانوں کے ایک مسلح ہجوم نے حملہ کیا اور رسول پورہ کی آدھی سے زیادہ ہندو آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غالباً انہوں نے قتل کرتے وقت اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے خدا کو خوش کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ آج کل خدا اور پرماتما انسانوں کو خون کی ہولی کھیلتے دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں۔

سری نگر سے ایک دوست آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آچاریہ کرپلانی نے

پنڈت رام چندر کاک سے ملاقات کی۔ اور شیخ عبداللہ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ مگر کاک صاحب نے کورا جواب دے دیا۔ اسی دوست نے بتایا کہ کاک صاحب کشمیر کو برطانوی کامن ویلتھ میں ہندوستان اور پاکستان سے الگ ایک ڈومینین کے طور پر رکھنا چاہتے ہیں مجھے یقین نہیں آتا لیکن تعجب نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات میں کئی لوگوں کے دماغ بگڑ رہے ہیں۔ بلاسپور کے راجہ صاحب بھی اسی طرح کے بزرگ ہیں۔ دہلی میں مسٹر جناح سے خفیہ طور پر مل آئے ہیں۔ اور دوستوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں مسٹر جناح کی مدد سے بلاس پور کو ایشیا کا سوئٹزرلینڈ بنا دوں گا۔

۱۲ مئی سنہ ۱۹۴۷ء

لاہور میں بھگدڑ مچ رہی ہے۔ کیونکہ بیگم شاہنواز کی دھمکی کے بعد وسیع پیمانہ پر فساد شروع ہو گئے ہیں۔ سارے شہر میں موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ خوف وہراس کا عالم طاری ہے۔ لوگ دھڑا دھڑ بھاگ رہے ہیں۔ اتنی زبردست آگیں لگی ہوئی ہیں کہ دن کو فضا پر دھواں ہی دھواں چھایا ہوا ہوتا ہے اور رات کو آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارا دفتر میو ہسپتال کے سامنے واقع ہے جہاں ہنٹ منٹ کے بعد زخمی اور لاشیں پہنچ رہی ہیں۔

لوگ بھاگ رہے ہیں نسبت روڈ پر شہر سے بھاگنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ تانگے اور موٹر والوں نے کرائے کئی گنا بڑھا دیئے ہیں۔ کیا کریں۔ آسانی سے کون خطرہ مول لے۔ تانگوں اور موٹروں پر بھی حملے ہو جاتے ہیں۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ مارشل لا کے سوا لاہور کا کوئی علاج نہیں۔ سردار سورن سنگھ

اور لالہ بھیم سین سچر اسی مقصد کے لئے دہلی گئے تھے۔ سردار پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ سے ملے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تجویز کسی نے منظور نہیں کی۔

بیگم فیروزالدین میرے ایک دوست، کی بہن ہیں۔ کل اچانک دفتر میں آپہنچیں تو میں کانپ اٹھا۔ میں نے کہا۔ آپ نے یہ خطرہ کیوں مول لیا۔ آج کل تو حالات نازک ہو رہے ہیں۔

بیگم صاحبہ ہنس پڑیں۔ کہنے لگیں ——— "مجھے کون پہچانتا ہے آپ ہی بتایئے مجھے کوئی مسلمان سمجھ سکتا ہے؟"

بات درست تھی۔ ان کے لباس سے تو انہیں کوئی مسلمان سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی زمانہ نازک ہے۔

بیگم صاحبہ دہلی جا رہی تھیں کیوں کہ ان کے خاوند دہلی کے رہنے والے ہیں اور بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ کچھ بھی ہو جائے ہم تو ہندوستانی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ہمیں یہاں رہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

ملنے آئی تھیں آخری بار ملاقات کرنے کے لئے ——— میں نے کہا۔ ہم تو ہر حالت میں پاکستانی ہی رہیں گے۔ کیونکہ لاہور اور راولپنڈی دونوں پاکستان کے حصے ہوں گے اور خدا جانے اس کے بعد ہم دہلی جا بھی سکتے ہیں یا نہیں۔

بیگم صاحبہ کے بھائی لاہور میں سیکرٹریٹ میں ملازم ہیں۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں لاہور سے بال بچوں کو لے کر دہلی چلا جاؤں ——— کیونکہ یہ فسادات رکنے والے نہیں۔ اور لاہور میں کسی ہندو یا سکھ کو رہنے نہیں دیا جائے گا۔

میں نے مسکرا کر کہا ——— اس حالت میں راولپنڈی چلا جاؤں گا۔

وہ خاموش ہو گئے۔ جاتی بار انہوں نے پھر کہا —— میرا نہیں تو آپا خورشید کا مشورہ مان لو۔ حالات سنگین شکل اختیار کرنے والے ہیں۔

خورشید آپا چلی گئیں، مسکراتی ہوئیں۔ لیکن اس کی ہنسی میں مجھے رونا نظر آیا۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ اگر آپا کی بات درست ہے تو نہ جانے لاہور کی کیا حالت ہو گی۔ اور ہمیں کس حالت سے گزرنا پڑے گا۔

پشاور سے خبر آئی ہے کہ لیگ کے قیدیوں نے سنٹرل جیل کے پہرے داروں کو قابو کر کے جیل کے دروازے توڑ دیئے ہیں، وہ بھاگ گئے ہیں اور پشاور میں پھر خون خرابہ شروع ہو گیا ہے۔

۲۳ مئی ۱۹۴۷ء

کل رات ریڈیو سے کہا جا رہا تھا کہ لاہور میں امن ہے۔ باہر والے شاید یہی سمجھتے ہوں، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ لاہور میں کیا ہو رہا ہے۔ کل رات دو درجن سے زیادہ مقامات پر آگ لگی۔ کتنی ہی جگہ بم پھٹے اور کتنے ہی لوگ چھروں کا شکار بنے۔

میو ہسپتال کے ایک ڈاکٹر صاحب ملے۔ مجھ سے کہنے لگے چھرے گھونپنے والوں نے خاص طور کے چھرے بنوا رکھے ہیں۔ یہ چھرے کسی کے جسم میں گھونپے جائیں تو باہر نکلتے وقت چھرے میں موڑ کی وجہ سے آنتیں باہر نکل آتی ہیں اور پھر ان کی دھار پر زہر لگا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر اس سے معمولی سا زخم بھی آ جائے تو وہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

کل رات چوہٹہ مفتی بھگت جل گیا اور سید مٹھا بازار میں اتنے بم پھٹے کہ ان کی آواز کرشن نگر تک سنائی دی۔

رائٹر کے نامہ نگار نے مسٹر جناح سے خاص طور پر انٹرویو حاصل کیا ہے مسٹر جناح نے کہا ہے کہ ـــــــ "پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ خطرناک ہے۔اس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔ ہم تقسیم کی مزاحمت کریں گے۔یہی نہیں بلکہ ہم پوربی اور پچھمی پاکستان کو ملانے کے لئے ہندوستان سے ایک راستہ کا مطالبہ کریں گے۔

غالباً پنجاب، اور بنگال میں فسادات کی وجہ یہی ہے۔کہ مسٹر جناح ان دونوں صوبوں کی تقسیم کے خلاف ہیں۔دہلی کے مسلم لیگی اخبار اور بمبئی کے اخبار خلافت نے لکھا ہے کہ اگر پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوئی تو یو۔پی بہار اور مدراس کی تقسیم بھی کرنا پڑے گی۔ اور فرید کوٹ۔الور اور بھرت پور میں میوؤں کو آزاد اور خود مختار اسٹیٹ دینا پڑیگی۔ مطلب یہ کہ ابھی فساد ہوں گے۔ابھی انسانوں کو اطمینان کا سانس لینے نہیں دیا جائے گا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن لندن گئے ہوئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اور مسٹر ہیوین ملک کی تقسیم کے ساتھ ساتھ پنجاب۔بنگال اور آسام کی تقسیم کے حق میں بھی ہیں۔

سری نگر سے ایک دوست آئے ہیں انہوں نے بتایا کہ مہاراجہ نے آچاریہ کرپلانی سے ملنے سے انکار کر دیا۔آچاریہ کرپلانی خود ہی مہاراجہ کے گھر گئے مگر تین گھنٹہ کی مغز پچی کے باوجود وہ شیخ عبداللہ کی رہائی کا وعدہ نہ لے سکے۔

آج ہی بمبئی کا "خلافت" نگاہ سے گزرا۔اس نے دھمکی آمیز لہجے میں لکھا ہے کہ "کشمیر کا فائدہ اسی میں ہے کہ کانگرسی لیڈروں کی ایک بات نہ سُنے اور پاکستان میں شامل ہونے کا اعلان کر دے ورنہ اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے"!

سوچتا ہوں کہ کہیں کشمیر میں بھی تو کوئی گل کھلنے والا نہیں۔خیر جو ہونا ہے وہ

ہو گا ہی مگر سمجھ نہیں آتا کہ بمبئی سے شائع ہونے والے اخبار ہندوستان کے مفاد کے خلاف کیوں زہریلا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔

۲۴ر مئی ۱۹۴۷ء

پنجاب کی تقسیم ہو گی یا نہیں مگر لاہور کی تقسیم شروع ہو گئی ہے۔ "سٹیٹسمین" نے لکھا ہے کہ ــــــ "ہندو مسلمان محلوں سے نکل رہے ہیں اور مسلمان ہندوؤں کے محلوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر صوبہ کی تقسیم ہونے سے پہلے ہی لاہور میں ہندو اور مسلم زون قائم ہو جائیں گے۔"

میں دیکھ رہا ہوں کہ لاہور مر رہا ہے۔ لاہور مر گیا تو انسانیت مر جائے گی۔

اتنی تباہی ہو رہی ہے جو شاید لاہور کی تاریخ میں نہیں ہوئی ہو گی۔

میں کانپ اٹھا یہ سن کر محلہ سوہن کی جن سات دیویوں کو گرفتار کرنے کے بعد ضمانت پر رہا کر دیا گیا تھا۔ اب انہیں دوبارہ گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا ہے۔ ایک پولیس افسر نے ان میں سے ایک، شادی شدہ عورت کی رنگین چوڑیاں توڑ ڈالیں اور اس کے سر پہ مٹی ڈال کر کہا ــــــ "یہ تمہارا سہاگ ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

سردار بلدیو سنگھ ڈیفنس منسٹر آئے ہیں۔ ایک مکان پر انہوں نے کچھ اخبار نویسوں سے بات چیت کی۔ میں بھی وہاں ہی تھا۔ ان دیویوں کا ذکر ہوا۔ تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے ــــــ میں بے بس ہوں۔

کیوں ــــــ؟ اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں معلوم ہوتا۔ ان کی زبان پر تالا لگا ہوا ہے۔ چائے کا انتظام تھا۔ مجھے تو پینے کی ہمت نہیں ہوئی لیکن

صاحب پی گئے اور ان کے ساتھ ہی دوسرے لیڈر بھی۔

کتنی سنگدلی ہے؟ آخر کیا وجہ ہے۔ لاہور میں مارشل لا نافذ نہیں کیا جاتا۔ کیوں تباہی اور بربادی پر قابو نہیں پایا جاتا۔

پشاور کے نیشنلسٹ مسلم اخبار "صداقت" نے انکشاف کیا ہے کہ سرحد میں فرد دار لیگی لیڈر فساد کرا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک لیگی لیڈر پشاور میں آیا ہوا ہے اور اس کے ہوٹل کا بل ۱۲ ہزار روپیہ ماہوار رہا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۴۷ء

سردار پٹیل نے مسوری سے بیان جاری کیا ہے کہ پنجاب کے لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہیئے۔ بلکہ ڈٹ کر غنڈوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ لوگ کیوں کر مقابلہ کریں۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اور تمام کی تمام ایڈمنسٹریشن جانبدار رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ کیوں نہیں مرکزی حکومت لاہور اور امرتسر میں مارشل لا لگا دیتی۔

لاہور میں فساد کی آگ بڑھ رہی ہے۔ تمام بازار بند ہیں۔ شہر میں پیپل وہڑہ۔ کوچہ پانیاں۔ کوچہ سجیت سنگھ۔ چوہٹہ دستی بھگت۔ محلہ سرین اور دان وٹاں بالکل جل گئے ہیں۔ لاہوری گیٹ میں بھی کئی جگہ آگ لگی ہوئی ہے۔

میں تو آج بچ ہی گیا۔ شاید زندگی کے دن باقی تھے اس لئے ——— انارکلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک   سے ایک رسی اٹھی۔ ایک سائیکل سوار زد میں آگیا۔ اس کے گرتے ہی دونوں طرف سے کچھ لوگ اکٹھے ہوئے اور اسے چھرا گھونپ کر غائب ہو گئے۔ میں چند قدم کے فاصلہ پر تھا اس لئے لوٹ گیا اور بچ گیا ورنہ میرا بھی یہی

حال ہوتا۔

مہاتما گاندھی ٹھیک کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی پرارتھنا سبھا میں کہا کہ انگریزوں کی موجودگی میں ہندوستان کے مسائل کا حل نہیں ہوسکتا۔ مہاتما جی تقسیم وطن کے خلاف ہیں مگر اس ہنگامے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

کلکتہ سے ایک مسٹر رچرڈ لاہور آئے ہیں۔ ہوٹل میں ملاقات ہوگئی۔ مجھے مسلمان سمجھ کر بات چیت کرنے لگے لیکن جب ان کا قیاس غلط نکلا تو بہت سٹپٹائے۔ باتیں کر چکے تھے اس لئے اب جھٹلانا مشکل تھا۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ مسٹر سہروردی کلکتہ کے انگریز تاجروں اور لیگ ہائی کمان کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے بنگال کو متحدہ رکھنے کیلئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ انگریز تاجروں کا مفاد یہ ہے کہ تجارت ان کے ہاتھ میں رہے صوبہ کی تقسیم ہوگئی تو مشرقی بنگال کی جیوٹ مغربی بنگال کے کارخانوں کے لئے ملنا مشکل ہوجائے گا اور لیگ ہائی کمان کا مفاد یہ ہے کہ اگر بنگال متحدہ ہو تو وہ ہندوستان سے تو الگ ہوگا ہی مگر کسی وقت بھی لیگ اکثریت بنا کر اسے پاکستان میں شامل کرنے کا اعلان کر دے گی۔

پانچواں باب

یکم جون ۱۹۴۷ء

لاہور دھڑا دھڑ خالی ہو رہا ہے کیونکہ امن قائم ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کل جب دوپہر کے بعد چائے نوشی کے لئے نسبت روڈ پر گیا تو لاہور سے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تانگے موٹریں اور لاریاں جا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا لاہور اجڑ رہا ہے اور دوبارہ اپنی رونق کبھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ دن کو تو لوگ شہر چھوڑتے نظر آتے ہیں۔ رات کو گولیاں چلنے کی آوازیں آتی ہیں اور جگہ جگہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہی حالت امرتسر میں ہے۔ گوڑ گاؤں بھرت پور اور الور میں بھی فساد ہو رہے ہیں کیونکہ مسلم لیگ نے کچھ میوؤں کے دماغ پر یہ خبط سوار کر دیا ہے کہ پاکستان کی طرح

"آزاد میو سلطنت" بھی قائم ہوسکتی ہے اس مقصد کے لئے دہلی اور لاہور چھاؤنیوں سے ہتھیار خرید خرید کر پہنچائے جا رہے ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے لندن سے واپس آکر ایک نئی سکیم پیش کر دی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۱۵ر اگست کو مکمل طور پر بٹوارے کی تاریخ مقرر کی ہے اور ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم بھی ہو گی۔

پنڈت جواہر لال دہلی سے لاہور آئے تھے۔ آج دہلی واپس چلے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی بے بس ہیں۔ چاہتے ہیں کہ فساد ختم ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ پنڈت جی کل صبح پیپل وہڑہ میں جلے ہوئے مکان دیکھنے گئے تھے۔ موچی دروازہ میں داخل ہوئے تو مسلم لیگیوں نے انہیں نہایت فحش گالیاں دیں۔ پولیس اور فوج ساتھ تھی ورنہ یہ لوگ شاید حملہ بھی کر دیتے۔

۲ر جون ۱۹۴۷ء

لاہور اور امرتسر جل رہے ہیں اور نئی دہلی میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ دونوں شہروں کی حالت یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی جان کو خطرے میں ڈالے بغیر ایک یا دوسرے شہر میں نہیں جا سکتا۔ میلوں سے آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور امن پسند لوگ جان بچانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ ایک بڑے پریس کے مالک سے بات ہوئی۔ کہنے لگے ——— "بھئی لاہور سے جو کچھ نکال کر لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔" میں نے پوچھا ——— "کیوں ایسی کونسی مصیبت ہے۔ یہ فساد ایک نہ ایک دن ختم ہو جائیں گے اور پھر لوگ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو جائیں گے۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ "آپ کو یہ وہم کیونکر ہو گیا"۔

اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ ملک فیروز خان نون میرے دوست ہیں۔ انہوں نے لاہور چھوڑ جانے کے لئے دوستانہ مشورہ دیا ہے۔ انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ گو یہ راز کی بات ہے مگر بتا دیتا ہوں کہ لاہور میں کسی ہندو یا سکھ کو رہنے نہیں دیا جائے گا۔

مجھے یہ باتیں محض بزدلانہ معلوم ہوتی ہیں۔ آخر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوموں کا بالکل صفایا کر دے۔ مغربی پنجاب میں لاکھوں ہندو سکھ بستے ہیں کیا سب کے سب کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ مجھے تو اس پر یقین نہیں آتا۔

ماسٹر تارا سنگھ اور ان کے ساتھیوں کو ہندو سکھ اخبار نویسوں نے تار دے کر بلایا۔ ماسٹر جی تو آ گئے مگر کوئی دوسرا نہیں آیا۔ مہاشہ کرشن کی قیام گاہ پر بات چیت ہوئی۔ ماسٹر جی کہنے لگے —— مجھے تو یقین ہے کہ جلد ہی دھرم یدھ ہونے والا ہے جس میں یا تو تمام ہندو سکھ تباہ ہو جائیں گے یا تمام مسلمان۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

سردار موہن سنگھ ساہنی اور میں نے اس پر اختلاف کیا۔ ماسٹر جی کہنے لگے —— نہ مانو مگر یہ ہو کر رہے گا۔ آج کی چھڑی ہوئی لڑائی کبھی ختم نہیں ہو گی۔

سردار موہن سنگھ کہنے لگے —— اگر یہ بات ہے تو ہندو سکھ اپنی حفاظت کیونکر کریں گے۔ اور آپ لوگوں نے کیا انتظام کیا ہے۔

ماسٹر جی کوئی جواب نہ دے سکے۔ کہنے لگے —— کیونکہ کا میرے پاس کوئی جواب نہیں مگر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ہر ایک کو خود ہی انتظام کرنا چاہیئے۔

پھر میٹنگ برخاست۔ کچھ پلے نہیں پڑا۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ لاہور میں

ہی رہنا چاہیئے مگر کیوں کر رہیں صورت حالات تو پورے طور پر مایوس کن ہے۔
سالک صاحب ملے تھے۔ وہ ان مسلمانوں میں سے ہیں جنہیں لوٹ مار سے دکھ
ہوتا ہے۔ کہنے لگے ــــــ پنجاب متحدہ رہ کر ہی بچ سکتا ہے اور کوئی دوسری صورت
نہیں۔ سالک صاحب نے جرأت سے کام لے کر اپنے اخبار میں یہ باتیں لکھ بھی دی ہیں
انہوں نے اخبار دکھایا۔ لکھا تھا۔

"ہماری بدبختی کی حد یہ ہے کہ نواب ممدوٹ جیسا شخص پاکستان
کا نام لے کر لیڈر بنا اور صوبہ کو پارہ پارہ کرنے کا مختار بنا ہوا
ہے۔ پھر ہماری تقدیر کا فیصلہ وہ لوگ کر رہے ہیں۔ جن کی ایک
انچ زمین بھی پنجاب میں نہیں ہے۔"

۴ رجون ۱۹۴۷ء

وائسرائے کے نئے پلان کا اعلان ہو گیا ہے۔ انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر چلا جائیگا۔
مگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جائے گا۔ پاکستان بنے گا۔ صوبوں کی تقسیم بھی ہو گی اور
ریاستی حکمرانوں کو اختیار ہو گا کہ وہ آزاد رہیں یا کسی ڈومینین میں شامل ہو جائیں۔ اور
سرحد کی قسمت کا فیصلہ ریفرنڈم سے کیا جائے گا۔

وائسرائے کی تقریر کے بعد پنڈت جواہر لال۔ سردار بلدیو سنگھ اور مسٹر جناح نے
تقریریں کی ہیں۔ تینوں نے تقسیم کا فیصلہ مان لینے کا اعلان کیا ہے اور امن و امان کے
لئے اپیل کی ہے۔ لیکن جہاں پنڈت جواہر لال نے فسادات کی مذمت کی ہے مسٹر جناح
نے خون خرابے کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

آج ہم سب کی زندگی کا ایک تاریخی دن ہے سینکڑوں برس بعد جب بچے تاریخ کی کتابیں پڑھیں گے تو اندازہ نہیں کریں گے کہ جس دن ہندوستان کی تقسیم کا اعلان ہوا تھا۔ عوام کی ذہنی حالت کیا تھی۔ نئی دہلی میں کیا ہو رہا تھا اور لاہور اور امرتسر میں کیا ؟

میں نے یہ اعلان اپنے دفتر کے لوکل ریڈیو پہ سُنا۔ اس کے بعد باہر نکلے تو چاروں طرف آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل ہی بادل نظر آئے۔ سوچتا ہوں کہ جس فیصلے کی بنیاد آگ خون اور تباہی ہے وہ نہ جانے مستقبل میں کس قدر بربادی لائے گا۔

سرحد میں لیگی رہنماؤں نے اپنی تحریک بند کر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی لیگ کے تمام قیدی رہا کر دیئے گئے ہیں۔

۶ر جون ۱۹۴۷ء

بیانوں کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ ہر شخص بیان دے رہا ہے ہندوستان کی آزادی پر ملک کی تقسیم اور حد بندی پر۔ کوئی دہلی تک کے علاقہ کو پاکستان میں شامل دیکھنا چاہتا ہے تو کوئی دریائے چناب تک پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے۔ سندھ کے شیخ عبدالمجید نے سرے سے تقسیم کی مخالفت کی ہے۔ سی پی کے روی شنکر شکلا کو اُمید ہے کہ "عنقریب ہی پاکستان ہندوستان سے آملے گا" اخباروں میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں دونوں مجوزہ ڈومینیوں کی اقتصادی دولت کا موازنہ کرتے ہوئے امید کی گئی ہے کہ پاکستان اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ ہو گا۔

دہلی کے ایک اخبار نے مغربی پنجاب میں ملک خضر حیات سے لمبی چوڑی اُمیدیں

وابستہ کی ہیں۔ اس کے خیال میں ملک خضر حیات دوبارہ لیڈر شپ حاصل کریں گے۔ کیونکہ ممدوٹ اور ان کے بہت سے ساتھی مشرقی پنجاب میں رہ جائیں گے۔

مجھے یہ سب باتیں بے معنی معلوم ہوتی ہیں۔ اگرچہ تقسیم کسی ملک کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتی اور ہندوستان کی تقسیم سے ایک مستقل جھگڑے کا آغاز ہونے کا اندیشہ ہے مگر مان لینا چاہیئے کہ تقسیم ہو چکی ہے اور اسے تسلیم کرنا ہی بہتر ہو گا۔

مولوی عبدالغنی ملے تھے۔ پوچھنے لگے ——— اب کیا کرنا ہے۔ ہندوستان جاؤ گے یا پاکستان کو ہی اپنا وطن بناؤ گے۔

میں نے کہا ——— ہندوستان جانے کا فی الحال تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ راولپنڈی پاکستان میں ہے۔ وہی اپنا شہر ہے لاہور بھی شاید پاکستان میں شامل کیا جائے گا اس لئے ہمیں تو پاکستانی ہی بننا پڑے گا۔

سوچتا ہوں کہ کیا ہو گا؟ ——— سب کچھ چھوڑ کر دہلی چلے جانا تو عقلمندی نہیں۔ پاکستان سے کتنے لوگ ہندوستان چلے جائیں گے۔ جو لوگ یہاں پیدا ہوئے اور پشتوں سے یہاں رہ رہے ہیں وہ بلا وجہ گھر بار چھوڑ کر کیوں جائیں۔

لاہور میں پنجاب کے بٹوارے کے لئے کمیشن مقرر ہو گیا ہے اور مسٹر سیدیو اس کے کمشنر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تقسیم محض ایک شاعرانہ خیال نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے

۷ جون ۱۹۴۷ء

آج ریڈیو سُن رہا تھا ایک سرکاری پریس نشر کر رہا تھا اور ریڈیو کا اعلانچی کہہ

رہا تھا

"آج لاہور میں امن رہا کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ موچی دروازہ میں ایک جگہ آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ مزنگ کے علاقہ میں اور دہلی دروازہ اور پرانی کوتوالی میں ایک دو جگہ آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔"

اور اس اعلان کی حقیقت، یہ ہے کہ لاہور میں گھر گھر آگ لگی ہوئی ہے اور چھرے چل رہے ہیں۔ کئی راستوں سے تو گزرنا بھی ناممکن ہے اور سرکار کہہ رہی ہے کہ لاہور میں امن وامان ہے۔

فساد کی آندھیوں میں — لاہور

کرفیو کی زندگی نے پریشان کر دیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کچھ دن کے لئے باہر چلا جاؤں۔ لیکن کہاں پر جاؤں یہ بھی تو سمجھ نہیں آتا۔

۸ر جون ۱۹۴۷ء

یہ الفاظ گاڑی میں بیٹھے ہوئے لکھ رہا ہوں۔ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی پشاور جا رہی ہے۔ آج صبح ہی فیصلہ کیا تھا۔ بیوی مخالفت کر رہی تھی۔ اسے اس بات سے پریشانی تھی کہ پشاور میں بھی فساد ہو رہا ہے۔ اس لئے وہاں جانا خطرناک ہے۔ میں نے جھوٹ موٹ ہی کہہ دیا کہ ہوائی جہاز پہ جا رہا ہوں۔ دو گھنٹہ میں پہنچ جاؤں گا اور دوسرے دن جہاز پہ واپس آجاؤں گا۔ اسے کچھ تسلی ہوئی اور میں جلتے ہوئے لاہور کو چھوڑ کر پشاور چل پڑا۔

سفر میں کتنے ہی ساتھی ہیں ہندو بھی اور مسلمان بھی سب ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہیں۔ سفر کرنے والے ساتھیوں میں سے نہ تو کوئی پاکستان کا نام لیتا ہے اور نہ ہی کوئی ہندوستان کا۔

گجرات کے نزدیک کراسنگ کے لئے گاڑی رک گئی۔ کوئی آدھ گھنٹہ رکی رہی گھپ اندھیرے میں ٹرین سے نیچے اتر پڑا۔ اور دوسرے مسافروں سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گیا۔ ایک سردار صاحب جو کہ ڈیرہ دون سے راولپنڈی جا رہے تھے میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ مارچ کے فسادات کے بعد راولپنڈی سے آ گیا تھا لیکن کب تک باہر رہوں۔ سرکاری ملازمت ہے۔ واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ایک مسلمان ریٹائرڈ صوبیدار ملے۔ بوڑھے سے۔ گول سی داڑھی۔ مہندی سی لگی ہوئی۔ اپنی چھاگل سے پانی پلایا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس نے کوئی بات تو نہیں کی۔ لیکن نہ جانے دل کیوں کہتا ہے کہ شاید یہ اس گاڑی پر زندگی کا آخری سفر ہو شاید اس کے بعد اس راستے سے گزرنا بھی نصیب نہ ہو۔

جہلم میں خان محمد امیر خاں سے ملاقات ہوئی۔ خان صاحب سرحد صوبہ کانگرس کے صدر ہیں۔ اور پشاور جا رہے تھے۔ انہوں نے سرحد کے فسادات پر بہت افسوس ظاہر کیا۔ کہنے لگے کہ کروڑوں کی جائداد تباہ ہو گئی ہے سینکڑوں لوگ مارے گئے۔ کچھ لوگ مسٹر اولف کیرو کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں مگر اصلی ذمہ داری تو مسٹر جناح پر ہے جنہوں نے اپنے پیروؤں کو آگ لگانے لوٹ مار کرنے اور عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے نہیں روکا۔

خان امیر محمد خاں صاف دل ہیں اور صاف بیانی سے کام لینے کے عادی ہیں۔

کہنے لگے ـــــــ گذشتہ تین مہینوں میں صوبہ سرحد میں جو کچھ ہوا ہے۔ اگر وہ آنے والے واقعات کی تصویر ہے تو اللہ تعالےٰ صوبہ سرحد کو محفوظ رکھے کیونکہ صوبہ سرحد کی پاکستان میں شمولیت ایک خوفناک ٹریجڈی ہوگی۔

میں نے پوچھا ـــــــ سرحد میں آپ کی حکومت کے باوجود یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟

خان صاحب نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ کہنے لگے ـــــــ ہماری حکومت ہے کہاں؟ گورنر کا اختیار ہے۔ تمام سروسز اس کے ماتحت ہیں اور وہ انہیں ہمیشہ اشارے پر چلاتا ہے۔ فساد رکے تو کیونکر رکے۔

۹ جون ۱۹۴۷ء

پشاور میں آکر طبیعت کو کچھ سکون حاصل ہوا ہے۔ ڈیڑھ مہینے گڑبڑ رہنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بارش اور طوفان کے بعد شہر نکھر آیا ہو۔

سفر کے دوران میں تو مجھے اندیشہ تھا کہ پشاور کی حالت بھی لاہور کی طرح ہوگی لیکن چلتی گاڑی میں ریلوے لائن کے نزدیک نوشہرہ چھاؤنی پر کچھ ہندو لڑکیاں گھومتی ہوئی نظر آئیں تو جان میں جان آگئی۔ یقین ہونے لگا کہ سرحد میں کوئی جھگڑا نہیں۔

ریلوے سٹیشن سے گزرنے والوں میں کتنے ہی ہندو سکھ تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ لالہ گردھاری لال پوری اسٹیشن پر ہی پہنچے ہوئے تھے۔ پوری صاحب سرحد اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر اور ایک مخلص کارکن ہیں۔ تانگہ پر گھر لے گئے۔ ان کا مکان سٹیشن کے نزدیک ہی چھاؤنی میں ہے۔ ان کی دھرم پتنی پڑھی لکھی اور خوش مزاج خاتون ہیں۔

میں نے کہا —— لاہور میں کولہو کی زندگی تو مجھے جیل کی زندگی نظر آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برسوں کے بعد پشاور آکر آزاد اور کھلی فضا میں سانس لے رہا ہوں۔

پوری صاحب مسکرا پڑے۔ میں نے پوچھا —— پشاور میں اس قدر امن اور سکون کی تو مجھے ذرا بھی امید نہیں تھی۔

مسز پوری کہنے لگیں —— یہاں کبھی کوئی فساد نہیں ہوا۔ لیگ کی ایجی ٹیشن کے دنوں میں بھی حالت یہ تھی۔ کہ ہم گھروں سے باہر نکلتے اور گھومتے پھرتے تھے اور پھر یہ تو چھاؤنی ہے۔ چھاؤنیوں میں اکثر فساد نہیں ہوتے۔

۱۰ر جون ۱۹۴۷ء

کل رات سینما گیا تھا۔ پوری صاحب اس کے حق میں نہیں تھے۔ کہتے تھے۔ آج تو آرام کرلو مگر میرے لئے کرفیو کی زندگی تھکا دینے والی زندگی تھی۔ اس زندگی سے نکل آنے کے وقت جو اطمینان حاصل ہوا اُسے سو کر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

صبح وزیر تعلیم خان یحییٰ خان سے ان کے سیکریٹریٹ میں ملاقات کی۔ خان یحییٰ خان، بادشاہ خان کے داماد ہیں اور نہایت نیک اور خدا ترس انسان ہیں۔

کہنے لگے —— سرحد میں ریفرینڈم کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی ایک سال پہلے ہندوستان اور پاکستان کے سوال پر انتخابات ہوئے اور مسلم لیگ کو شکست ہوئی۔ اب نئے سرے سے لوگوں کی رائے لینے کا کیا فائدہ ؟

میں نے پوچھا —— آپ کیا چاہتے ہیں پٹھان ہندوستان میں شامل ہوں پاکستان میں ؟

خان صاحب مسکرا کر کہنے لگے ——— بات یہ ہے کہ ہندوستان کے رہنماؤں سے مل کر ہم نے انگریز کے خلاف میٹنگ کی۔ وہ ہمارے دوست ہیں مگر صوبہ سرحد کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ ہم ہندوستان میں شامل نہیں ہو سکتے۔ پاکستان کے تصور سے ہی ہمیں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اس لئے پاکستان تو انگریز کا دیا ہوا خیال ہے۔ اس لئے ہم تو الگ ہی رہنا چاہتے ہیں۔

"الگ رہ کر صوبہ سرحد اپنے اخراجات کیونکر پورے کریگا"۔ میں نے پوچھا۔

"خوب" خان صاحب نے کھلکھلاتے ہوئے کہا۔ ہماری سٹیٹ بند ہو گی اور ہم جانتے ہیں۔ کہ سٹیٹ اپنے اخراجات کیونکر پورے کرتی ہے۔ ہماری جغرافیائی پوزیشن ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں مدد دے گی۔

ڈائرکٹر انفارمیشن سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب ایک خوش پوش اور خوش شکل نوجوان ہیں۔ بڑے پرتپاک طریقے سے ملے۔ کہنے لگے ——— گذشتہ ڈیڑھ ماہ میں مسلم لیگ کے حملوں کا نشانہ میں بھی رہا ہوں۔

میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ مسلم لیگ نے ایک خفیہ ریڈیو سٹیشن قائم کر رکھا تھا۔ اس ریڈیو سے مجھے ہر روز گالیاں اور دھمکیاں دی جاتی تھیں۔

پشاور میں آج کل زندگی نظر آتی ہے۔ خان عبدالغنی کے زلمئی پختون کے رضا کار پستول اور ریوالور لٹکائے ہوئے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ قبائلی علاقہ سے پچاس ساٹھ روپے میں پستول مل جاتا ہے اور ڈاکٹر خانصاحب کی وزارت کھلے بندوں لائسنس دے رہی ہے۔ یہ رضا کار تشدد کا جواب تشدد میں دینے پر یقین کرتے ہیں۔ ان کے جلسوں کا افتتاح ہوا میں فائرنگ سے ہوتا ہے اور لوگ جوق در جوق ان کے جلسوں میں شامل ہوتے ہیں۔

شہر کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے پیدل ہی خوب چکر کاٹے۔ کوئی کشیدگی نہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہندو مسلم منافرت کا نام و نشان نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پشاور کانگریس کا گڑھ ہے۔

چھاؤنی کی گراؤنڈز میں شام کو ڈوبتے سورج کا نظارہ کر رہا تھا۔ ایک میں تھا سبزے پر درخت کے سہارے لیٹا ہوا۔ اور سامنے سکول کے کچھ طالب علم فٹ بال کھیل رہے تھے۔ دور کچھ بھیڑیں میدان میں چرتی پھر رہی ہیں۔

جانے کیوں دل بھر آیا۔ ایک سال پہلے میں نے سامنے کی اُودی اُودی پہاڑیوں پر سے درۂ خیبر اور اس سے بھی آگے کی سیر کی تھی۔ میں نے دیکھے تھے کچے راستے پر چلتے ہوئے قبائلیوں کے قافلے۔ اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ان کے بچے خوشی سے جھومتے تھے تو کتنے خوبصورت معلوم ہوتے تھے اور وہ خشک اور ننگی ننگی پہاڑیاں۔

بیٹھے بیٹھے وہ تمام منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ جانے کیوں آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ دُنیا کے اس حصے میں یہ آخری سفر ہے اس کے بعد میں یہ پہاڑیاں کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔ نہ ہی کھلی فضا میں چرتی ہوئی بھیڑیں اور یہ مانوس چہرے۔

گھر آیا تو شام کا دھندلکا رات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ طبیعت بہت اداس تھی۔ تھکاوٹ بھی تھی۔ اس لئے جلد سو گیا۔

۱۰ رجون ۱۹۴۷ء

صبح سویرے سیر کرتے ہوئے لالہ مہر چند کھنہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ مسلح فوجیوں

کے درمیان سیر ہو رہی تھی۔ پوری صاحب ملاقات کے لئے گئے ہوئے تھے۔ پندرہ بیس منٹ خوش گپیوں میں گذر رہے۔ میرے پوچھنے پر کھنہ صاحب کھلکھلا کر کہنے لگے۔ کہ اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو گیا تو بھی یہاں ہی رہیں گے۔ پٹھانوں میں کوئی فرقہ دارانہ سوال نہیں مسلم لیگ یہاں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

کھنہ صاحب کہنے لگے۔ آپ یہاں آکر اخبار کیوں جاری نہیں کرتے کانگریس کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کافی میدان ہے۔ آپ اخبار جاری کریں تو ہم ہر ممکن مدد دیں گے۔

مجھے ہنسی آگئی ——— میں سوچ رہا تھا کہ کھنہ صاحب جیسا سمجھدار شخص کیونکر یقین کرتا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد صوبہ سرحد میں کوئی شخص کانگریس کا نام لے سکے گا۔

ڈاکٹر خان صاحب سے ان کے بنگلے میں ملاقات ہوئی وہی سی زندہ دلی اور مسکراہٹ، اچانک سنجیدہ ہو کر عینک اتار کر کہنے لگے ——— خدا کی قسم! اولف کیرو پاگل ہو گیا ہے۔ اُسے راتوں کو بھی میرے خواب آتے ہیں اور چونک کر سونے کے کمرے سے نکل کر باغ میں ٹہلنے لگ جاتا ہے۔

میں نے پوچھا ——— آپ ریفرینڈم میں حصہ لیں گے؟

"نہیں ——— اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر خان صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ "انگریز اور اس کی سنگینوں کے سائے میں ریفرینڈم ایک مذاق ہوگا۔ اور پھر اگر اس سوال پر خانہ جنگی ہو جائے تو پٹھانوں کا ہی خون بہے گا اور کسی کا نہیں میں اپنی آنکھوں سے یہ خون خرابہ دیکھنا نہیں چاہتا۔"

میں نے پوچھا۔ تو پھر آپ ریفرینڈم کے لئے انتظامات کیوں کر رہے ہیں؟

کہنے لگے ——— "حکومت ہند کر رہی ہے ہم نہیں۔ اور اُسے روکنا ہمارا کام نہیں۔"

ڈاکٹر خان صاحب کی آنکھوں میں چمک تھی لیکن ان کے چہرے پر جھریاں پڑ رہی تھیں اور بال سفید اور خشک ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی آنے والے خطرے کو بھانپ رہے ہیں۔

دوپہر کے بعد صوبہ کے کانگریسی کارکنوں کا اجلاس تھا۔ قبائلی علاقہ سے بھی کئی لوگ آئے ہوئے تھے اور ڈاکٹر خان صاحب اور کھنہ صاحب سے مصافحہ کے وقت یہ لوگ گلے ملتے تھے۔

خان عبدالغفار خاں کی صحت اچھی ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی تشویشناک مسئلے کا سامنا ہے۔ دہلی سے ہوائی جہاز پر آئے تھے۔ مختصر سی ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے ——— "گورنر اولف کیرو خطرناک فسادی ذہنیت کا مالک ہے۔ یہ شخص ۱۹۲۵ء میں پشاور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ اور اس وقت بھی کسی سُرخ پوش کو دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتا تھا۔ فسادات کے دنوں میں مسلم لیگ کے مفرور اس کی کوٹھی میں پناہ لیتے تھے۔ اور اسی کے اشارے پر لوٹ مار کی جاتی تھی۔"

میں نے کہا۔ "اب کانگریس کیا کرے گی۔ آپ کیا کریں گے؟"

کہنے لگے ——— یہ ایک لمبا اور پیچیدہ سوال ہے۔ بہرحال کانگریس کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ انگریز لازمی طور پر ہندوستان سے جا رہا ہے۔ سرحد پر پٹھانوں کا راج ہونا چاہیئے اور ہو گا۔ ریفرنڈم ایک سازش ہے جس کے ذریعے انگریز پٹھان قوم کا شیرازہ تباہ کرنا چاہتا ہے۔

خان عبدالغفار خاں کو بہت ضروری کام درپیش تھا۔ اس لئے وہ زیادہ باتیں نہ کر سکے۔ میں سوچتا رہ گیا کہ یہ شخص جس پر لاکھوں پٹھانوں کے مستقبل کی ذمہ واری ہے۔ اب کیا کرے گا؟ پٹھانوں کے رہنماؤں کو اتنا تھوڑا وقت ملا ہے کہ وہ تو ابھی تک تذبذب میں ہوں گے۔

ڈاکٹر خان صاحب کے پارلیمنٹری سیکرٹری خان منیر خاں سے بھی ملاقات کی۔ یہ صاحب سخت مزاج ہیں اس لئے آپ کو کٹر کانگرسی بیان کرتے ہیں مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ درپردہ مسلم لیگ سے ساز باز کر رہے ہیں۔

پیر شہنشاہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ بڑے زندہ دل بزرگ ہیں۔ کہنے لگے ـــــ میں تو صاف گو اور عملی آدمی ہوں۔ سرحد میں گڑبڑ کی ذمہ واری انگریز مل اور باہر کے لوگوں پر ہے۔

میں نے پوچھا ـــــ بیرونی لوگوں سے آپ کی مراد کیا ہے؟

کہنے لگے ـــــ جو لوگ پٹھان نہیں۔ ہمارے لئے پنجابی اور ہندوستانی سب بیرونی ہیں۔ آزادی حاصل ہو گئی۔ پٹھان کیوں نہ اس سے بہرہ ور ہوں پٹھانوں کو خواہ وہ برطانوی علاقہ میں رہتے ہیں یا قبائلی علاقہ اور بلوچستان میں۔ اپنی قربانیوں کا پھل چکھنے کا حق ہے۔

خان عبدالغنی قبائلی ساخت کا ریوالور ہاتھ میں اچھالتے ہوئے کہنے لگے ـــــ ہمیں جناح پر اعتبار نہیں۔ گاندھی جناح اپیل شائع ہوئی مگر دوسرے روز ہی ٹانک اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں تباہ ہو گئے۔ لیگ نے تحریک واپس لینے کا اعلان کیا۔ مگر دوسرے روز نوشہرہ کو لوٹ لیا۔ ہمارے جلسوں میں گڑبڑ کی جاتی

ہے مگر اب ہم مقابلہ کریں گے۔ گولی کا جواب گولی سے دیں گے۔ یہاں آپ کا عدم تشدد نہیں چل سکتا۔

تمام ضلعوں سے کانگرسی کارکن آئے ہوئے ہیں۔ نہیں آئے تو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے نواب زادہ اللہ نواز خاں نہیں آئے۔

صبح شام ان کے فون پوری صاحب کے مکان پہ آتے ہیں گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہراً طور پہ کانگرس کے ساتھ ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ان کے قدم پھسل رہے ہیں۔

شام کو مردان گیا تھا۔ کھنہ صاحب اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ اتنا بڑا جلسہ آج تک نہیں دیکھا۔ مردان میں بھی مسلم لیگ نے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ لیکن آج تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مردان میں ہر شخص کانگرسی ہے۔ ہر شخص لیگ کا مخالف۔

زلمئی پختون کے رضا کاروں نے جلسہ کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہوا میں فائر کئے اور پھر جلسہ ہوا۔ قاضی عطا اللہ جان نے دو گھنٹے تقریر کی اور بار بار لوگوں نے زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔ قاضی صاحب نے لیگ کے خلاف جو الفاظ کہے وہ ہم لوگ تو شاید لاہور میں بھی نہ کہہ سکیں۔

۱۱ / جون ۱۹۴۷ء

یہ الفاظ راولپنڈی کے نزدیک چلتی ٹرین میں لکھ رہا ہوں۔ شام کو پشاور چھاؤنی سے گاڑی میں سوار ہوا تھا اور اب رات ہو چکی ہے۔

میرے ڈبے میں ایک بھی ہندو یا سکھ نہیں۔ کچھ فوجی ہیں اور کچھ دوسرے

مسلمان...... ایک صاحب لیگ کی تحریک میں شامل ہونے کے لئے نوشہرہ گئے تھے۔ اور اب رہا ہو کر لاہور جا رہے ہیں۔ مزے کی بات ہے کہ کوئی کشیدگی نہیں کوئی نفرت نہیں۔ انہی صاحب نے کیمبل پور کے نزدیک خربوزے خریدے اور مجھے کھلائے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں اخبار نویس ہوں تو مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ کہنے لگے آپ لوگوں کے سامنے زیادہ باتیں کرنا خطرناک ہوتا ہے۔

۱۳ر جون ۱۹۴۷ء

مسلم لیگ کی کونسل نے تقسیم وطن کی سکیم منظور کر لی ہے۔ ملک کے علاوہ صوبوں کی تقسیم بھی لیگ کو منظور ہے اور اب عملی طور پر تقسیم شروع ہونے والی ہے۔

خاکساروں نے لیگ کے فیصلے کو چیلنج کیا ہے۔ انہوں نے دہلی میں جلوس نکالا اور امپیریل ہوٹل پر جہاں لیگ کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا۔ دھاوا بول دیا۔ لیگ کے ممبروں پر خاکساروں نے حملہ کیا جس سے کئی آدمی زخمی ہو گئے۔

خاکسار کہتے ہیں کہ مسٹر جناح نے مسلمانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ دہلی اور آگرہ بھی پاکستان میں شامل ہونے چاہئیں اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم نہیں ہونی چاہیئے

بمبئی کا اخبار "خلافت" نگاہوں سے گزرا۔ یہ اخبار ہندوستان سے شائع ہوتا ہے مگر پاکستان کی حمایت کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ

"بنگال۔ پنجاب اور آسام کی تقسیم نہیں ہونی چاہیئے۔ انہیں پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے اور کانگرس کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک دلوں میں صفائی نہیں ہوئی۔ نواب چھتاری حیدرآباد کے وزیر اعظم مقرر ہوئے ہیں۔ اور ان کی وزارت نے فیصلہ کیا ہے کہ حیدرآباد کو آزاد اور خود مختار ریاست کی شکل دی جائے۔ لندن سے سر والٹر مانکٹن خاص طور پر اسی لئے آئے ہیں اور نظام سے بات چیت کر کے انہیں مجبور کر رہے ہیں کہ وہ انڈین یونین میں شامل نہ ہوں۔

اور لاہور اور امرتسر ابھی تک جل رہے ہیں۔ کل رات کتنی ہی بار گولیاں چلیں ہمارے دفتر کا ایک ملازم چوک متی میں ہلاک ہو گیا۔ بے چارہ ایک دوست سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ لیکن واپس نہ آ سکا۔

رات کو اللہ اکبر اور ہر ہر مہادیو کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ بم اور گولیاں چلتی ہیں اور رسیوں سے جلتے ہوئے گولے باندھ کر ایک دوسرے پر گرائے جاتے ہیں۔

چھٹا باب

۱۴ر جون ۱۹۴۷ء

نواب بھوپال مہاراجہ کشمیر سے ملے ہیں اور ان پر پاکستان میں شامل ہونے کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔ مہاراجہ کشمیر نے جواب دیا ہے کہ "میں پاکستان میں شامل ہونے کی بجائے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی جان دے دینے کو ترجیح دوں گا۔"

مہاراجہ کشمیر نے ایک دوست کو بتایا ہے کہ انہیں لارڈ مونٹ بیٹن کی طرف سے مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ کسی صورت میں ہندوستان میں شامل نہ ہوں۔ اور اگر یہ مان لیں تو کشمیر اور گلگت کو تو پاکستان میں شامل کر دیا جائے اور جموں کو ہندوستان میں۔

نہ معلوم کہ ان خبروں میں کہاں تک سچائی ہے لیکن مہاراجہ کشمیر پر انگریزوں کے دباؤ کی خبروں پر مجھے تعجب نہیں۔ کیونکہ انگریزوں کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ کشمیر پر

ان کا اقتدار رہے۔ کشمیر روس اور چین کی سرحدوں پر واقعہ ہے اور انگریز روس اور چین کو کمزور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان برطانیہ کے اقتدار میں ہی رہے گا۔ اس لئے کشمیر کا پاکستان میں شامل ہونا برطانیہ میں شامل ہونے کے مترادف ہے۔

"نیویارک سن" کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی نئی مسلم سٹیٹ پاکستان برٹش کامن ویلیتھ میں ایک آزاد ڈومینین کی حیثیت سے رہے گی لیکن ہندو انڈیا یعنی ہندوستان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے قائم ہوگا۔

نیویارک کے اخبار ایم۔ پی نے برطانوی حلقوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "مسٹر جناح نے لارڈ مونٹ بیٹن کو مطلع کر دیا ہے کہ پاکستان برٹش امپائر کا ایک ممبر رہنے کو ترجیح دے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ تقسیم وطن کے بعد بھی جھگڑے ختم نہیں ہوں گے۔ پاکستان برطانیہ کا دستِ نگر رہا تو ظاہر ہے کہ انگریز ہر مرحلے پر پاکستان کو ہندوستان کے خلاف استعمال کرے گا۔

اور لاہور اب بھی جل رہا ہے۔ شاہ عالمی میں آج چھجے شاہ کے ہسپتال میں داخل ہو کر غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ اور حملہ کے بعد پولیس نے ہسپتال میں داخل ہو کر لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ہیرا منڈی۔ لوہاری گیٹ۔ نواں کوٹ۔ مزنگ اور باغبان پورہ میں آگ لگ رہی ہے یہی حالت امرتسر کی ہے۔ فساد رکنے کی کوئی صورت نہیں۔

۱۷ر جون ۱۹۴۷ء

صوبہ سرحد کی کانگرس نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور ڈاکٹر

خان صاحب نے مسٹر جناح کو متنبہ کیا ہے کہ اگر وہ قبائلی علاقہ میں گئے تو خون خرابہ ہو جائیگا آفریدی اور مہمند علاقوں کے قبائلی سردار ڈاکٹر صاحب سے ملے اور ڈاکٹر خان صاحب نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اور ان کے ساتھی "آزاد پٹھانستان" کا مطالبہ کریں گے۔

ادھر جمعیتہ العلما سرحد کے صدر مولانا سید گل بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ ان کے پچاس ہزار مجاہد ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے خلاف کام کریں گے۔ مجھے سید گل بادشاہ کے دعویٰ پر بھروسہ نہیں۔ یہ لوگ صرف باتیں کرتے ہیں کوئی تعجب نہیں کہ وقت آنے پر پاکستان کے گن گانے شروع کر دیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ خان عبدالغفار خان نے سرحد کے مسلم لیگی رہنماؤں سے ذاتی طور پر بات چیت کی تھی۔ وہ اس بات کے لئے بھی تیار تھے کہ اگر لیگی لیڈر آزاد پٹھانستان مان لیں تو وزارت میں لیگ کو نمائندگی دے دی جائے گی۔ مسٹر جناح رضامند نہیں ہوتے اس لئے بات چیت ٹوٹ گئی ہے۔

لاہور کی طرح گوڑگاؤں کے ضلع میں بھی فساد ہو رہا ہے۔ دونوں طرف سے رائفلوں بموں اور مشین گنوں کا استعمال ہو رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آتی کہ حکومت کی موجودگی میں لوگ ایسے خطرناک ہتھیار کہاں سے لے آئے ہیں۔ اندازہ کیجئے میوؤں کے ایک گاؤں میں ہتھیاروں سے لدے ہوئے پانچ چھکڑے پکڑے گئے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا ہے کہ دہلی میں فسادیوں نے ہتھیاروں کے ذخیرے کر رکھے ہیں اور وہاں سے ہی میوات کے علاقہ میں خفیہ طور پر ہتھیار بھیجے جا رہے ہیں۔

لارڈ مونٹ بیٹن ٹراونکور کے دیوان سے ملنے کے بعد کشمیر روانہ ہو گئے ہیں۔ ٹراونکور کے دیوان سے مسٹر جناح بھی ملے ہیں اور یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ ٹراونکور اور

کشمیر کو ہندوستان سے الگ رکھنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لارڈ مونٹ بیٹن اپنے ساتھ اپنی بیگم کو بھی لے گئے ہیں۔ دیکھیں وہاں کیا گل کھلتا ہے۔

دہلی سے خط آئے ہیں کہ میں کچھ دن کے لئے وہاں چلا جاؤں۔ انہیں سخت تشویش ہے۔ لاہور کے حالات سن سن کر پریشان ہو رہے ہیں۔ بیوی بھی دہلی جانے کے لئے مجبور کر رہی ہے مگر دل نہیں مانتا۔ خطرہ تو ہے مگر اپنا گھر کون چھوڑے۔

۱۹ر جون ۱۹۴۷ء

آج تو مشکل سے جان بچی۔ ایک ضروری کام سے سٹیشن کو جا رہا تھا کہ برانڈرتھ روڈ سے گزرتے ہی کئی بم ایک ساتھ پھٹ گئے۔ میرا ڈرائیور تو تیزی سے کار کو آگے لے گیا تھا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بادامی باغ کے ایک کارخانہ کے مزدوروں کے ٹرک پر بم گرے اور پھٹ گئے۔ اور اس کے بعد سڑک پر چھرے بازی شروع ہو گئی۔ پانچ آدمی ہلاک اور دو درجن سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ میں تو تین چار گھنٹہ تک اسٹیشن پر ہی رہا اور اس کے بعد ایک پولیس افسر کو بلا کر اس کے ساتھ واپس آیا۔

رات کو تو اندھیرا ہو گیا۔ اتنی آگ لگی کہ آگ کے شعلوں اور دھوئیں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آیا۔ رات کو دفتر میں ہی سویا۔ کیونکہ شام کے بعد سب کام کرنا تھا اور رات کو دو بجے کے بعد گھر لوٹنے کی اگر کوشش کرتا تو موت کو دعوت دینا تھا۔ منشی کلیم اور مرزا صاحب بھی رات کو دفتر میں ہی سوئے۔ خوف کا یہ عالم ہے کہ سوتے وقت بھی ہر انسان یہی کوشش کرتا ہے کہ دوسرا شخص دروازے کے پاس سوئے اور وہ خود دور۔ گویا حملہ ہوا تو دروازے کے ساتھ سونے والا ہی جان کھوئے گا اور دوسرے بچ کر نکل

جائیں گے۔

"ڈان" نے ایک آرٹیکل میں لکھا ہے کہ۔۔۔۔۔ خان عبدالغفار خاں ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے ساتھیوں سے سمجھوتہ کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔ اور غداری کے الزام میں مقدمے چلا کر انہیں پھانسی کے تختوں پر لٹکا دیا جائے۔

انقلابات ہیں زمانے کے۔ بادشاہ خان اور ان کے ساتھی جن کی عمریں قربانیوں میں گذریں غدار قرار دیئے جا رہے ہیں اور جو لوگ ہمیشہ غداری کرتے رہے وہ اپنے آپ کو قوم کے رہنما سمجھ رہے ہیں۔

"آزاد" احرار کا اخبار ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ۔۔۔۔۔ اللہ اللہ کیا سفلہ پروری ہے کہ جن لوگوں کے دامن حیات میں موروثی کاسہ لیسی کے پیوند لگے ہوئے ہیں وہ ان لوگوں کا محضر قتل تیار کر رہے ہیں جن کی بدولت سرحد کو آزادی ملی۔ جن لوگوں نے پشتینی وفاداریوں کے صلہ میں انگریز سے جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے اجرت پائی اور دنیائے اسلام کے ایک ایک ملک کو غلام بنایا۔ رنگروٹ دیئے اور غریبوں کے بچوں کی عسکری تجارت پر خود امیرانہ زندگی گزاری۔ انہی لوگوں کی عدالت میں بادشاہ خان اور ان کے پیروؤں کو پھانسی کا پروانہ لینے کے لئے پیش کرنے پر اصرار فرمایا جا رہا ہے۔

لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر پہنچ گئے ہیں اور مہاراجہ سے بات چیت میں مصروف ہیں۔ سری نگر میں مسلم لیگی لیڈر چودھری حمید اللہ نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات شہر میں اخر ڈالتی ہے کہ وائسرائے کا کسی ریاست کے کسی سیاسی لیڈر سے ذاتی

بات چیت کرنا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف آج دہلی میں وائیسرائے ہاؤس میں مسٹر جناح اور بادشاہ خان میں بات چیت ہوئی ہے۔ بات چیت کے بعد مسٹر جناح نے کہا ہے کہ ہم نے نہایت بے تکلفی سے بات چیت کی ہے۔ خان عبدالغفار خان پشاور جا رہے ہیں کیونکہ وہاں ان کی پارٹی کی میٹنگ ہو رہی ہے جہاں وہ بات چیت کے بعد مجھے خط لکھیں گے۔

"ڈان" کے لیڈنگ آرٹیکل کے بعد مسٹر جناح کے الفاظ حیرت انگیز ہیں اگر بات چیت کا مقصد سمجھوتہ کرنا ہے تو اشتعال انگیزی کیوں؟

۲۰ جون ۱۹۴۷ء

آج لاہور میں پچیس جگہ آگ لگی ہوئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا شہر جل رہا ہے۔ جگہ جگہ چھرے چل رہے ہیں اور میو ہسپتال اور سر گنگا رام ہسپتال میں لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے دو قتل دیکھے۔ کرشن نگر میں ایک حاجی کو ایک ہجوم نے لاٹھیوں سے ہلاک کر دیا اور ہسپتال روڈ پر ایک عورت کو چھرا گھونپ کر اس کی لاش پٹرول سے جلا دی گئی۔ دونوں جگہ پولیس موجود تھی لیکن کیا مجال ایک جگہ بھی اس نے مدافعت کی۔

میرے ساتھی رام لال مہاجن آج بال بال بچے۔ سبزی منڈی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ یک ساتھ دو تین بم پھٹ گئے جس سے دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ مہاجن صاحب کی قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے۔ مہاجن ایک دلیر نوجوان ہے۔ خطرناک علاقہ میں رہنے کے باوجود باقاعدگی سے کام پر آتا ہے۔ آج کے واقعہ نے تو مجھے بھی خوف زدہ

کر دیا۔ میں نے مہاجن کو مشورہ دیا کہ وہ مکان خالی کر کے کرشن نگر آ جائے۔ مگر اس نے مسکرا کر ٹال دیا۔ مجھے اس کی گھبراہٹ میں اس کے لئے خطرہ نظر آتا ہے۔ یہ شخص دیدہ دانستہ اپنی جان خطرے میں ڈال رہا ہے۔ اور یہی بات مجھے خطرناک نظر آتی ہے۔

۲۳/جون ۱۹۴۷ء

آگ کے شعلوں اور دھوئیں کی لپٹوں میں پنجاب اسمبلی نے صوبہ کی تقسیم منظور کر لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ متحدہ پنجاب کا اصولی طور پر خاتمہ ہو گیا ہے اور پنجاب اسمبلی کا یہ اجلاس متحدہ پنجاب اسمبلی کا آخری اجلاس تھا۔

تقسیم طے ہو گئی۔ سمجھ لو کہ بربادی کا نیا دور شروع ہو گیا۔ ۹۱ ممبروں میں سے صرف ملک خضر حیات خاں اور ان کے ساتھیوں نے جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ پنجاب کی تقسیم اصولی طور پر طے ہو چکی ہے۔ فیصلہ کرنے والے اسمبلی کے ممبر ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر لاہور کے باشندوں کی رائے لی جائے تو شاید ہی کوئی شخص تقسیم کی تائید کرے گا۔ تقسیم کے حامی کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے عوام کو تباہی سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ تباہی رکنے کی کوئی امید نہیں۔ یہی تباہی ایک نئی شکل میں نمودار ہو گی۔ پنجاب میں ایک حصے میں ہندو اور سکھ موت کے گھاٹ اتریں گے اور دوسرے میں مسلمان۔

نہ معلوم دل بار بار کیوں کہہ رہا ہے کہ لاہور میں زندگی کے گنتی کے دن رہ گئے ہیں نہ جانے کیوں آج آگ کے شعلے اور دھوئیں کے گھیر —— زیادہ خطرناک نظر آ رہے ہیں۔ لاہور کا ذرہ ذرہ خطرناک نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے فضا کا کونہ کونہ کاٹنے

کو لپک رہا ہے۔

اے دل اتنا رو کہ تیرے آنسوؤں سے دریا بہنے لگ جائیں۔ آج صدیوں کے رشتے ٹوٹ رہے ہیں۔ آج بھائی بھائی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ آج انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ ایک خونی وحشت ناک اور انسانیت کو تباہ کرنے والے انقلاب کی۔

۲۴ جون ۱۹۴۷ء

میری آنکھوں میں تباہی کے منظر ہیں۔ میری نظروں کے سامنے طوفان ہے۔ لاہور مر رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکے گی۔

جگہ جگہ تباہی ہو رہی ہے۔ جگہ جگہ خونین انقلاب کے منظر دیکھنے میں آئے ہیں۔ شاہ عالمی جل گیا ہے۔ رات کو پولیس اور مجسٹریٹوں نے مل کر آگ لگائی اور جو لوگ جان بچا کر بھاگ رہے تھے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا۔ ٹیلیفون کے کنکشن کاٹ ڈالے گئے تاکہ فائر بریگیڈ کو اطلاع ہی نہ مل سکے۔ واٹر ورکس کی مشینری تباہ کر دی گئی تاکہ آگ بجھانے کے لئے پانی کا انتظام بھی نہ ہو سکے اور پھر پانی کی بجائے جلتی آگ میں پٹرول چھڑکا گیا۔

میں شاہ عالمی میں ہی تھا شام کو دینا ناتھ کے مکان پر تھا۔ آگ لگی تو قیامت آ گئی جلتی ہوئی زبانوں کی طرح پھیلتی ہی گئی۔ جلتی ہوئی لہروں کی طرح اٹھتی ہی آئی۔ ہماری حالت اس شخص کی طرح تھی جو شعلوں سے گھرا ہوا ہو اور ایک سے دوسرے دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے مکان میں سامان منتقل کیا۔ اتنی تپش تھی

کہ جسم جھلسے جا رہے تھے۔

دو سو سے زیادہ دکانیں اور مکان جل گئے۔ ساری پاپڑ منڈی جل گئی۔ شاہ عالمی میں کتنی ہی دور تک مکان اور دکانیں جل کر خاک ہو گئیں۔ ایک طرف آگ لگ رہی تھی اور دوسری طرف گولیاں چل رہی تھیں۔

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اعلان کیا ہے کہ پولیس کے کچھ آدمی زخمی ہوئے ہیں لیکن پولیس نے کتنی تباہی کی ہے کاش وہ یہ بھی بتلائے کہ اس تباہی کی ذمہ داری ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ہے۔

جو حال شاہ عالمی میں ہوا ہے وہ باغبان پورہ اور مصری شاہ میں بھی ہوا ہے۔ مصری شاہ میں چاول کی مل پر سینکڑوں لوگوں نے حملہ کر دیا۔ مل لوٹ لی گئی مگر پولیس دیکھتی ہی رہی۔ لوٹ مار ختم ہوئی تو ۶۳ گھنٹوں کا کرفیو لگا دیا۔

باغبان پورہ میں آریہ سماج مندر پر حملہ ہوا۔ جنار دھن باغ میں چار آدمی موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

۲۵ جون ۱۹۴۷ء

آج دفتر میں پہنچا مگر مہاجن اور ورما کے سوا کوئی آدمی نہیں آیا۔ سارے راستے ہی بند ہیں۔ ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اپنی جان بچانے کو دفتر میں نہ آئے۔

اس وقت دو بجے بعد دوپہر کا وقت ہے۔ ہم تینوں خالی ہاتھ بیٹھے ہیں۔ سامنے کا بازار سنسان ہے اور شاہ عالمی موچی دروازے کی طرف سے گہرے سیاہ دھوئیں کے

بادل اٹھ رہے ہیں اور گولیاں چلنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ویریندر جی کا فون آیا ہے کہ ہم سب فوراً گھر لوٹ جائیں لیکن کیونکر، کوئی راستہ بھی تو محفوظ نہیں۔ مہاجن کا گھر سبزی منڈی کے نزدیک ہے میرا گھر کرشن نگر میں ہے اور ورما کا شاہ عالمی میں۔ جو بھی باہر نکلنے کی جرات کرے گا چھرے کا شکار ہو جائے گا۔

چھت پر چڑھے۔ جگہ جگہ دھوئیں کے بادل اور آگ کے لال لال شعلے بلند ہو رہے ہیں اور نسبت روڈ پر لاہور سے بھاگنے والوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ تانگے اور موٹر کاریں اسٹیشن کی طرف جا رہی ہیں۔ ان پر راستے میں بھی حملے ہو رہے ہیں مگر بھاگنے کا جنون ہے۔ لوگ بھاگتے ہی جا رہے ہیں۔

سریندر ناتھ کا فون آیا ہے وہ اکبری منڈی میں اپنے مکان میں گھرے پڑے ہیں۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں اور نیچے بازار میں چھرے چل رہے ہیں۔ سریندر کیسے بچے گا؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہجوم نے رُخ پلٹ لیا تو نہ معلوم کیا ہو۔

بھوک لگی ہوئی ہے لیکن خوراک کا کوئی انتظام نہیں۔ بازار بند ہیں نسبت روڈ پر پربھات ریسٹورنٹ ہی لے دے کر کھلا ہوتا ہے وہ بھی آج بند ہے۔ نہ روٹی نہ چائے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ ہر روز ہر گھڑی موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اب کیا ہو گا؟

ساتواں باب

۲۴ر جون ۱۹۴۷ء

مولانا عبدالمجید سالک ایک نیک انسان ہیں جب بھی ملتے ہیں خون خرابہ کے واقعات پر پریشانی کا اظہار کرتے ہیں۔ پنجاب کی تقسیم پر ان کا دل رو رہا ہے۔ آج انہوں نے اپنے اخبار میں لکھا ہے کہ

"کیا وجہ ہے کہ ابھی تک پنجاب جنگ کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے کیوں کہ ابھی تک مکان جلائے جا رہے ہیں۔ لوگوں کی، بے گناہوں کی بے قصوروں کی جان لی جا رہی ہے۔ جائدادیں تباہ کی جا رہی ہیں۔ دوکانیں لوٹی جا رہی ہیں۔ راہ چلتے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ پنجاب تباہ ہو جائے لیکن اگر پنجاب تباہ ہو جائے گا تو یہاں کون

سلامت رہے گا۔ تباہی آئے گی تو صرف مسلمانوں پر یا سکھوں اور ہندوؤں پر نہیں آئے گی ۔ سب کو اس میں شریک ہونا پڑے گا۔"

اور یہ ہو بھی رہا ہے۔ پنجاب جل رہا ہے۔ پنجاب کے لوگ اپنے ہاتھوں ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ کہاں ہے خدا؟ کہاں ہے پرماتما؟ ان کے نام پر ہی تو تباہی مچائی جا رہی ہے۔ بھاٹی دروازہ میں ایک ہندو کو ہلاک کر کے اس کی چھاتی پر "اللہ اکبر" لکھا گیا۔ ہندوؤں نے اس کے جواب میں ایک مسلمان تانگے والے کو ہلاک کر کے اس کی چھاتی پر "ہر ہر مہادیو" لکھ دیا ——— دونوں خوش ہیں کہ انہوں نے اللہ اور پرماتما دونوں کی عظمت بلند کر دی۔ میری یہ سمجھ نہیں آتا کہ رات کو ایک دوسرے پر آگ کے گولے پھینکنے والے اور چھرے گھونپنے والے اللہ اور مہادیو کے نعرے کیوں بلند کرتے ہیں اور اگر اللہ اور مہادیو نام کی کوئی چیز موجود ہے تو وہ ان لوگوں سے باز پرس کیوں نہیں کرتی۔ غضب ہے کہ قدرت اپنے خوبصورت ہاتھوں کو کٹتے دیکھ کر بھی چپ ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے وجود سے انکار کیا جا رہا ہے اور خدا سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا ہے۔ اس میں آواز بلند کرنے کی جرأت ہی نہیں۔

رات کو ریڈیو پر سرکاری اعلان ہوا کہ شہر میں امن ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریڈیو پر خبر نشر ہونے کے وقت بھی جگہ جگہ سے آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے اور گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اکیلے لوہاری منڈی میں گیارہ دوکانیں اور چھ مکان جلا دئیے گئے ہیں۔ برانڈرتھ روڈ پر کل کی آگ آج بھی بھڑک رہی ہے اور حکام کہہ رہے ہیں کہ شہر میں امن ہے۔

۲۵ رجون ۱۹۴۷ء

اندازہ ہے کہ شاہ عالمی کی آگ میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنی بھیانک آگ کبھی نہیں دیکھی۔ میلوں سے نظر آنے والے آگ کے لمبے لمبے شعلے اور بھاگتے ہوئے لوگوں کی چیخیں۔ ایک ایس۔ ڈی راما نند آگ لگنے کے وقت جان بچانے کے لئے گھر سے بھاگ رہے تھے کہ پولیس نے ان کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ واٹر ورکس کے ٹیوب ویل نے پانی دینے سے انکار کر دیا۔ گاندھی سکوئر کے باشندوں نے اپنے فائر بریگیڈ بھیجے۔ تو پولیس نے انہیں روک دیا۔ اور ایک ڈرائیور کو گرفتار کر لیا۔

سرحد میں آزاد پٹھانستان کا چرچا شروع ہو گیا ہے۔ سرحد میں آزاد پٹھانستان کے شہر نوشہرہ میں قبائلی علاقہ سے آئے ہوئے ہزاروں لوگوں نے آزاد پٹھانستان کی تحریک کی حمایت کی۔ خان عبدالغفار خان نے بھی یہی بات بنوں کے ایک جلسہ میں کہی ہے۔ انہوں نے سرحد کے مسلم لیگیوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خدائی خدمتگاروں سے مل کر پٹھانستان کا آئین تیار کریں۔ لیکن امید نہیں کہ انہیں کامیابی ہو کیونکہ انگریز ابھی تک مضبوط ہے۔ ہندوستان خالی کرتے کرتے وہ سرحد کو بھی تباہ کر کے جائے گا۔

۲۶ رجون ۱۹۴۷ء

خدائی خدمتگاروں نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ خان عبدالغنی دہلی جاتے ہوئے ملے تھے۔ کہنے لگے کہ اگر ہندوستان اور پاکستان کے سوال پر ریفرنڈم ہوا تو صوبہ سرحد میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور ہم خانہ جنگی نہیں چاہتے۔ ریفرنڈم پٹھانستان

کے سوال پر ہونا چاہیئے۔ اس حالت میں لیگ ایک بھی ووٹ نہ لے سکے گی۔

میں نے کانگرس کا رویہ پوچھا تو خان عبدالغنی نے کہا ——— دہلی کی بات چیت میں مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ ہم یہ موقعہ دینے کے لئے تیار ہیں کہ ریفرنڈم آزاد پٹھانستان سٹیٹ کے سوال پر ہو مگر مسٹر جناح کسی طرح نہ مانے۔

"تو اب آپ کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

خان عبدالغنی قدرے سنجیدہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا ——— بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس مرحلے کا علم ہی نہیں تھا۔ نہ ہی یہ امید تھی کہ کانگرس پٹھانستان کے سوال پر ثابت قدمی سے کام نہیں لے گی۔ خیر! جو ہوا سو ہو گیا۔ اب ہم نئے سرے سے آزادی کے لئے جد وجہد کریں گے۔ ہم خاموش نہیں رہیں گے۔

عبدالغنی کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ اور اُسے ہوا میں اچھالتے ہوئے کہا۔ زلمئی پختون اس کی مدد سے پٹھانستان قائم کریگا۔

انجن نے وسل دیا اور گاڑی دھیرے دھیرے چل پڑی۔ خان عبدالغنی نے مسکرا کر الوداع کہا اور ڈبے کے اندر چلے گئے۔

میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا رہا کہ کیا اس بہادر نوجوان کی قوم غلام ہو جائیگی کیا اس کے ولولے، اس کا جوش و خروش اور اس کی قربانیاں رائیگاں جائیں گی؟

یکم جولائی ۱۹۴۷ء

مسٹر جناح نے ڈاکٹر خان صاحب کو تار کے ذریعہ "حکم" دیا ہے کہ وہ وزارت چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ ڈاکٹر خان صاحب نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "میری سمجھ میں

نہیں آتا کہ مسٹر جناح کو یہ خیال کیونکر پیدا ہوا کہ میں ان کے حکم دینے سے ہی مستعفی ہو جاؤں گا۔ انہیں مجھ سے استعفیٰ مانگنے کا حق ہی کیا ہے۔ میں نے ان کے حکم سے وزارت قائم نہیں کی تھی۔"

ڈاکٹر خان صاحب نہایت سادہ مزاج آدمی ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ مسٹر جناح پاکستان کے گورنر جنرل بننے والے ہیں اور یہ عہدہ سنبھالتے ہی ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ڈاکٹر خان صاحب کو برطرف کر دیں گے۔

صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے ساتھیوں کا زور ہے۔ کل رات ڈاکٹر خان صاحب نے پشاور میں ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پٹھانستان میں باہر کے لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور سچائی کے اصولوں سے حکومت کی جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پٹھانستان کیسے بن سکتا ہے؟ پاکستان بنتے ہی صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ بن جائے گا۔ اور حکومت کا اختیار ڈاکٹر خان صاحب کی بجائے حکومت پاکستان کے گورنر کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ڈاکٹر خان صاحب اپنی مرضی سے کام کرنے کی کوشش کریں گے تو برطرف کر کے نظربند کر دیئے جائیں گے۔

میاں جعفر شاہ آئے تھے۔ کہتے تھے ———— کہ مسلح بغاوت کر کے پٹھانستان قائم کیا جائے گا۔ مگر مجھے ان باتوں پر یقین نہیں اور میاں جعفر شاہ کی باتوں پر تو بالکل یقین نہیں آتا کیونکہ یہ شخص باہر سے تو کانگرسی ہے مگر اندر سے لیگ سے سازباز کر رہا ہے۔ اس کی حالت نواب زادہ اللہ نواز سے مختلف نہیں۔ دونوں ابن الوقت ہیں اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ٹراونکور کے دیوان سر راما سوامی آئر ٹراونکور کو آزاد ریاست کی شکل دینے کی فکر

میں ہیں کشمیر میں بھی ایک عنصر ایسی ہی کوششوں میں مصروف ہے

آج قدرے امن ہے آگ لگنے کی کوئی واردات نہیں ہوئی مگر لوگ دھڑا دھڑ بھاگ رہے ہیں۔ کرشن نگر ایک محفوظ مقام ہے مگر یہاں سے بھی لوگ سامان لاد لاد کر لاہور سے باہر جا رہے ہیں۔

مولانا اختر علی کا فون آیا تھا۔ کھلکھلا کر پوچھ رہے تھے کہ ——— اب بتاؤ پاکستان میں رہو گے یا ہندوستان میں؟ میں نے کہا جہاں امن ہو گا! جہاں سلامتی ہو گی اگر پاکستان میں امن ہو گا تو یہاں ہی رہیں گے لیکن اگر یہی حالت رہی تو پاکستان اور ہندوستان تو کیا کہیں بھی نہیں رہ سکیں گے کسی لٹیرے کا چھرا زندگی کے تمام مسائل حل کر دے گا!

مولانا اختر علی زندہ دل آدمی ہیں۔ ذاتی طور پر بڑے مخلص ہیں لیکن خون خرابہ کا کوئی علاج ان کے پاس بھی نہیں کہنے لگے ——— پاکستان بنتے ہی امن ہو جائے گا۔ میں نے کہا چلو اسی کا انتظار کرتے ہیں۔

لالہ ارجن دیو قتل ہو گئے ہیں رائے بہادر روچی رام کے داماد "کرم دیو" کے ایڈیٹر تھے۔ دماغ میں کام کرنے کا جنون تھا۔ یہی جنون انہیں موت کی طرف کھینچ لے گیا۔ کل ہی میں نے انہیں کہا تھا کہ وہ مکان چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چلے جائیں لیکن انہوں نے ایک نہ مانی گھر سے سائیکل پر باہر نکلے کہ علاقہ کے ایک شخص نے چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔

زندگی میں سلامتی ہو تب ہی رشتہ داریاں اور دوستی نبھتی ہے۔ لالہ دیا کشن ایک پرانے دوست ہیں۔ شاہ عالمی میں آگ لگی تو بڑی مشکل سے کود کر ایک مندر میں داخل ہوئے وہاں سے صبح اطلاع ملی تو ان کو چھڑا کر لایا۔ ان کی بوڑھی ماں رات کو چھلانگ لگاتے ہوئے

گولی کا نشانہ بن گئی تھی۔ میں نے کہا ——— آؤ اس کا انتم سنسکار تو کر دیں۔ انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگایا اور کہنے لگے۔ نا بابا! مجھے گاڑی پر چڑھا کر لدھیانہ پہنچا دو یہی کافی ہے۔

میں نے کہا ——— مگر بوڑھی ماں کی لاش؟

کہنے لگے ——— وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اپنی جان کو ایک اور خطرے میں ڈال نہیں سکتا۔

بہت سمجھایا مگر لالہ جی مانے نہیں۔ اپنی جان کا خوف ماں کی لاش کو بھی ٹھکانے لگانے سے روکنے لگا۔ خیر انہیں گاڑی پر چڑھایا، اور خود لاش کو ٹھکانے لگایا۔

۱۹۴۳ء کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ اس سال ماسکو کے اخبار "نیو ٹائمز" نے لکھا تھا کہ ہندوستان کے صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو افغانستان سے ملا دینا چاہیئے۔ آج افغان گورنمنٹ نے لندن اور واشنگٹن کو مراسلے بھیجے ہیں جن میں درج ہے کہ افغانستان کو سرحد کا صوبہ دے دیا جائے۔

۱۲ر جولائی ۱۹۴۷ء

کئی دن ڈائری لکھ ہی نہیں سکا۔ حالات بے حد مخدوش ہیں اور طبیعت اس قدر بے چین ہے کہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ گلیاں اور بازار بالکل ویران ہو رہے ہیں۔ لوگ سامان اٹھا اٹھا کر بھاگ رہے ہیں۔ میری اپنی گلی آدھی سے زیادہ خالی ہو چکی ہے۔ ہر شخص کی زبان سے یہی نکل رہا ہے کہ اب پاکستان میں زندہ رہنا ممکن نہیں ہو گا۔

کتابوں میں انقلاب کے قصے پڑھتے تھے لیکن اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوست اور واقفکار ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن رہے ہیں۔ ایک

دوسرے کو دیکھتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دہشت ہوتی ہے
سوچتا ہوں کہ کبھی امن قائم بھی ہوگا یا نہیں؟

کل موٹر شاپ میں بے حد خون خرابہ تھا۔ قیامت کا سا منظر دیکھا۔ دو فرقوں کے ملازم بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ تیسرے فرقہ کے ملازموں نے چھرے اور کلہاڑیوں سے حملہ کر دیا۔ سترہ ملازم ہلاک ہوئے اور چالیس زخمی۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو امن قائم ہو چکا تھا اور ورکشاپ میں کام ہو رہا تھا مگر ابھی تک وہ سترہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

قاتل اور مقتول۔ چند لمحہ پہلے ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ کچھ دن پہلے وہ ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ایک دوسرے کی مصیبت کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سیاسیات نے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ مرنے والوں کو کیا معلوم تھا کہ آج جب وہ اپنے اپنے کام پر پہنچیں گے۔ تو ان کے ساتھی ہی ان پر قاتلوں کی طرح سے ٹوٹ پڑیں گے۔

سمجھ نہیں آتا مجھے اپنے کمرے میں رکھی ہوئی بھگوان کی تصویر سے کیوں خوف آتا ہے۔ میری بیوی صبح شام اس کی پوجا کرتی ہے۔ پوجا کا مقصد یہی ہے کہ بھگوان ہمیں سلامت رکھے خوش رکھے۔ میں سوچتا ہوں کہ آج ورکشاپ میں جو لوگ مارے گئے ان کی بیویاں بھی میری بیوی کی طرح اپنے گھروں میں بھگوان کی پوجا کرتی ہوں گی۔

اور جب شام کو ان کے خاوند کام سے لوٹ کر آتے ہوں گے تو وہ اطمینان کا سانس لے کر بھگوان کا دھنباد کرتی ہوں گی لیکن آج وہ کیا کہتی ہوں گی۔ کیا آج انہوں نے بھگوان کی آرتی اُتاری ہوگی یا انہیں مورتیوں کی آنکھوں میں وحشت اور خوف نظر

آیا ہوگا۔ میری بیوی آرتی اتار رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا مجھ کو اس سے کہنا چاہیے کہ یہ مورتی ہم دونوں کو بچا نہیں سکے گی۔

اور لاہور اور امرتسر کی آگ اب گوجرانوالہ میں بھی پہنچ گئی ہے۔ گوجرانوالہ کو فساد زدہ رقبہ قرار دیا گیا ہے۔ ۹۶ گھنٹے کا کرفیو لگا دیا گیا ہے۔ مگر آگ لگانے اور چھرا گھونپنے کے واقعات جاری ہیں۔

سرحد میں ریفرنڈم ہو گیا ہے۔ اقلیتوں اور کانگرس نے اس کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۱۴ر جولائی ۱۹۴۷ء

ہندوستان آزاد ہو گیا اور ہم غلام۔ اگرچہ لاہور ابھی تک پاکستان میں شامل نہیں ہوا اور بہت سے لوگوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا حصہ بنے گا۔ مگر میں اسے محض خوش فہمی سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر گوپی چند سے ملاقات ہوئی۔ لاجپت رائے بھون میں ہم لوگ ان سے ملنے گئے تھے۔ کہنے لگے۔ لاہور چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر نکلنا پڑا تو بھی حفاظت کا پورا انتظام کیا جائے گا۔ مگر نہ جانے مجھے اس بات پر یقین کیوں نہیں آتا۔ آج چار مہینوں سے فساد ہو رہے ہیں اور حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تو کل لاہور کے پاکستان میں شامل ہونے پر کون حفاظت کرے گا۔ کون حفاظت کی ذمہ داری لے گا۔

زندگی اور سلامتی کے راستے مسدود ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے آگ لگتی ہے تو اس سے روشنی پھیلتی ہے مگر ہماری آنکھوں میں تو یہ آگ اندھیرا پیدا کر رہی ہے تاریکی میں دیئے کی لو چلنے والوں کو راستہ دکھاتی ہے مگر یہاں روشنی میں آگ بھڑکتی ہے تو راستے بند

ہوتے نظر آتے ہیں تاریکی سی دکھائی دیتی ہے۔ اور پھر مایوسی اور نا اُمیدی۔ زندگی کے سہارے ٹوٹتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

یہ آگ! تباہی مچا رہی ہے۔ آج ۳۵ مقامات پر آگ لگی ہے موچی دروازہ میں پیپل وہڑہ اور کوچہ بابیاں کے نیچے کھچے مکان بھی جل رہے ہیں مستی گیٹ مزنگ، چونا منڈی اور کشمیری گیٹ میں بھی آگ لگ رہی ہے۔ پولیس فسادیوں کو روکنے کے لئے گولیاں چلا رہی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فسادیوں کے جسم لوہے کے بنے ہوئے ہیں۔ پولیس کی گولیاں مٹی کی بنی ہوئی ہیں یا گولیاں چلانے والے گولی چلانے کا فن بھول گئے ہیں کہ گولیاں نشانے پر ہی نہیں لگتیں۔

ذرا جنون تو دیکھو! ایبٹ آباد کے نزدیک ٹھنگی میں فسادیوں نے ڈاکٹر سندھوانی کا تپ دق کا ہسپتال جلا دیا ہے اور ہسپتال کے ساتھ ہی تمام مریض بھی جل گئے ہیں۔

۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء

چلئے چھٹی ہو گئی۔ ڈاکٹر گوپی چند سے آج پھر ملاقات ہوئی تھی۔ کہتے تھے کہ لاہور کو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن معلوم نہیں صاف طور پر کیوں نہیں کہتے کہ لاہور پاکستان میں شامل ہوگا اگر یہ بات لوگوں کو معلوم ہو جائے تو شائد بہت سے لوگ اپنی جانیں بچا سکیں۔

مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لاہور پاکستان میں شامل ہوگا۔ مسٹر قربان علی پاکستانی پنجاب کا انسپکٹر جنرل پولیس مقرر ہو گیا ہے اور مسٹر بنیٹ کو ہندوستانی پنجاب کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا جا رہا ہے۔ مسٹر قربان علی ایک نیک آدمی ہیں۔ میں انہیں راولپنڈی سے جانتا ہوں۔

انہوں نے ڈاکٹر گوپی چند بھارگو اور نواب ممدوٹ کی کوٹھیوں پر سرکردہ شہریوں کے جلسے

میں امن قائم کرنے کا یقین دلایا۔ مگر اکیلے مسٹر قربان علی کیا کر سکتے ہیں۔ مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لاہور پاکستان میں شامل ہوگا۔

لاہور ویران ہو رہا ہے۔ ایک ماتم سا چھایا ہوا ہے۔ بازاروں کے بازار اور محلوں کے محلے خالی ہو رہے ہیں۔ مکان دار شہر سے نکلتے ہیں تو ان کے مکان لوٹ لئے جاتے ہیں اور پھر آگ لگا دی جاتی ہے۔ آج تو بچ گئے۔ دیوانی عدالت کے نزدیک کسی کار والے نے بم پھینکا اور بھاگ گیا۔ ۱۲ آدمی زخمی ہو گئے۔

۲۱ / جولائی ۱۹۴۷ء

ریڈیو نے یہ منحوس خبر سنائی ہے کہ برما کے وزیر اعظم جنرل آنگ سانگ اور ان کے چار وزیروں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ قتل کی سازش یوسا نے کی تھی جو جاپان کے حملے کے وقت امریکہ سے واپسی پر راستے میں ہی گرفتار کر لیا گیا۔

جنرل آنگ سانگ کی موت ایشیا کی ترقی پسند اور جمہوری طاقتوں کیلئے ایک عظیم صدمہ ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر یہ واقعہ برما میں خانہ جنگی کا پیش خیمہ بن جائے۔

ہندوستان اور پاکستان کی الگ الگ مرکزی حکومتیں بننے لگی ہیں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن ہونگے اور پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر جناح۔

لاہور۔ گورداسپور اور امرتسر کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے ریڈکلف مشن بحث مباحثہ میں مصروف ہے۔ اور آج یہ سنا گیا ہے کہ فیصلے سے دس دن پہلے لاہور اور امرتسر میں مارشل لا لگا دیا جائے گا۔ تاکہ خانہ جنگی شروع نہ ہو جائے۔

سکھ لیڈر خالصتان کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے دہلی میں مطالبہ کیا ہے

کہ انبالہ ڈویژن الگ کر کے پوربی پنجاب میں خالصتان بنانا چاہیئے۔ سردار اوتم سنگھ دوگل اس تحریک کے خلاف ہیں۔ راولپنڈی کے رہنے والے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ پاکستان کے ہندو اور سکھ نئے حالات کے مطابق سوچیں اور ہندوستان کے مسائل میں مداخلت نہ کریں۔ نہ ہی ہندوستانی سکھ پاکستانی سکھوں کے مسئلہ میں دخل دیں۔

یہ نظریہ بالکل درست ہے اگر ہمیں پاکستان میں رہنا ہے تو بالکل نئے نظریہ سے سوچنا پڑے گا۔ یوگی رام ناتھ بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام اقلیتیں پاکستان سے وفاداری کا اظہار کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا تو چاہیئے کہ پاکستان کی حکومت ہم سے کیا سلوک کرتی ہے۔ اگر ہمارا استقبال ہی محفوظ نہیں تو پاکستان سے وفاداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لاہور میں ابھی تک چھرے چل رہے ہیں اور آگ لگ رہی ہے۔ آج باغبانپورہ میں ۱۴ اشخاص ہلاک اور ۲۸ زخمی ہوئے۔ سنگھ پورہ میں نصف درجن سے زیادہ مکانوں کو آگ لگی اور جب لوگ آگ سے بچنے کے لئے بھاگنے لگے تو ان پر پولیس نے گولیاں چلائیں۔

۲۳ / جولائی ۱۹۴۷ء

عرب ہوٹل سے کسی نوجوان نے فون پر دھمکی دی ہے کہ وہ مجھے دو دن کے اندر ہلاک کر دے گا۔ وجہ یہ کہ میں ہندو ہوں اور مسلم لیگ کا مخالف ہوں۔

نوجوان کی جرأت قابلِ داد ہے۔ اسے اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں۔ میں نے

کہا۔ اگر مجھے ہلاک کر دوگے تو کون سا قاروں کا خزانہ آپ کے ہاتھ میں آجائے گا زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مقتولوں کی تعداد میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا۔ بڑی لمبی چوڑی بحث ہوتی رہی جب میں نے اسے پیش کش کی کہ اگر اسے مجھے قتل کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو میں ہفتہ بھر کو اس کے پاس جانے کے لئے تیار ہوں۔ تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

میں نے کہا —— چلو یہ نہیں تو میرے دفتر میں آجاؤ۔ چھرا گھونپ کر دل کے ارمان پورے کر لو۔ تو وہ کہنے لگا۔ اگر آپ بھی مجھے ہلاک کر دیں تو ——!

میں نے کہا۔ میں چھرے بازی میں یقین نہیں رکھتا تو وہ لاجواب ہو گیا۔ اس نے خاموشی سے "نمستے" کہا اور ٹیلی فون کا ریسیور رکھ دیا۔ کاش یہ نوجوان مجھے ملے تو میں اسے سمجھاؤں کہ چھرے گھونپنا بہادری نہیں۔

لیکن چھاؤنی کے مجسٹریٹ شیخ غلام احمد چھرے گھونپنے والوں کو بہادر سمجھتے ہیں اور انہیں فخر ہے کہ ان کی چشم پوشی اور امداد سے چھرے گھونپے جا رہے ہیں۔

دینا ناتھ ورما نے نواب ممدوٹ بن کر "شیخ صاحب" کو فون کیا تو شیخ صاحب کہنے لگے۔ "آپ فکر نہ کیجئے چھرا چلانے والے کسی شخص کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ آج بدمعاشوں نے سبزی منڈی پر دو بم پھینکے ہیں۔ اس کے جواب میں اب تک گیارہ اشخاص کو چھرے گھونپے جا چکے ہیں اور رات کو باقی کی کسر پوری کر دی جائے گی۔"

ٹیلی فون بند کرتے ہوئے "نواب ممدوٹ" نے سبحان اللہ کا نعرہ بلند کیا اور شیخ غلام احمد نے کہا۔ "حضور! میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اب آپ کی نگاہ کرم کی ضرورت ہے۔"

شیخ صاحب کو کیا معلوم کہ ان سے بات چیت کرنے والا کون تھا؟ کبھی معلوم ہوگا تو ضرور پچھتائیں گے۔

مولوی عبدالغنی ملے تھے۔ کہنے لگے۔ کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا۔ میں موت کا انتظار کر رہا ہوں کیا معلوم کب کوئی چھرا آ لگے۔ مولوی صاحب کہنے لگے۔ آپ کو چھرا لگا تو میں خودکشی کر لوں گا۔ آپ جیسے آدمی کو مرنا نہیں چاہیئے۔

بات چیت ہو رہی تھی مال روڈ پر ایک چیخ بلند ہوئی۔ ہملٹن مارکیٹ کے چوراہے پر کسی نے ایک سائیکل سوار کو چھرا گھونپ دیا تھا۔ سسکتے ہوئے لاشے کو میں اور مولوی صاحب میو ہسپتال لے گئے۔ معلوم نہیں اب تک وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟

مولوی صاحب رخصت ہو گئے تو میں ڈرتا ڈرتا کرشن نگر کو روانہ ہو گیا۔ وُمنز ہال کے سامنے خان کابلی مل گئے۔ میں نے پوچھا کدھر جا رہے ہو تو کہنے لگے۔ سنت نگر

مجھے غصہ آیا اور ترس بھی۔ غصہ اس کی سادگی پہ اور ترس ایک دوست کی زندگی پر۔ میں نے کہا۔ —— اُدھر جانے کا نام نہ لیں تمہاری داڑھی تمہارے لئے موت کا پیغام ہوگی۔ بڑی مشکل سے سمجھا کر اسے رخصت کیا۔ ورنہ کل خان کابلی کا مرثیہ پڑھنا پڑتا۔ عجیب انسان ہے کئی مرتبہ اسے کہا ہے کہ وہ فساد کے دنوں میں گھر سے باہر نہ نکلے۔ آج کل کون پوچھتا ہے کسی دوست کو۔

آٹھواں باب

۲۳/ جولائی ۱۹۴۷ء

ریل گاڑیوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ آج صبح مغلپورہ ریلوے سٹیشن کے نزدیک امرتسر سے آتی ہوئی ایک ٹرین پر حملہ کیا گیا۔ آٹھ اشخاص مارے گئے اور ایک درجن سے زیادہ زخمی ہوئے۔ شہر میں بم پھٹ رہے ہیں۔ گولیاں چل رہی ہیں اور آگ لگ رہی ہے۔ لاہور سٹیشن پر بھی ایک بم پھینکا گیا جس سے دو آدمی مارے گئے۔ سنتے ہیں کہ لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء نافذ کر دیا جائیگا لیکن مجھے اُمید نظر نہیں آتی۔ اگر حکومت اتنی ہی جرأت سے کام لینا چاہتی تو لاہور اور امرتسر میں امن قائم ہو گیا ہوتا۔ مشترکہ فوج بنے گی تو اس کے افسر بھی انگریز ہی ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان افسر مسلمان فسادیوں کی حمایت کریں گے اور ہندو اور سکھ افسر ہندو اور سکھ فسادیوں کی پیٹھ ٹھونکیں گے۔

سری نگر سے ایک صاحب آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ سردار شوکت حیات اور سردار عمر حیات خاں کشمیر کے دیہات کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ معلوم نہیں حکومت کو ان باتوں کا علم ہے یا نہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ لیگ اور پاکستان کا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں اور پاکستان کے فوجی سپاہیوں کو سفید لباس میں مختلف دیہات میں بھیج رہے ہیں یہ صاحب بہت گھبرائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ چند دن کے اندر اندر لاہور کی طرح بارہ مولا سے سری نگر تک فساد شروع ہونے والے ہیں۔ لاہور جل رہا ہے۔ معلوم نہیں کل ہمارا کیا حشر ہو۔ ادھر دہلی میں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ چودھری خلیق الزمان جو کل تک منافرت پھیلانے میں پیش پیش تھے آج قوم پرست بن گئے ہیں۔ انہوں نے اسمبلی میں کہا کہ آج سے میں اور میرے ساتھی ترنگے جھنڈے کو سلام کرنا اور اس کی عزت برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن قربانی دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کیا مضحکہ خیزی ہے کہ دو قوموں کی تھیوری ماننے والے ایک دن میں اپنے عقیدے بدل لیں۔

۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء

حیدرآباد میں میرے اخبار کا داخلہ بند ہو گیا۔ جرم یہ ہے کہ ہم نظام کی علیحدگی کی سازشوں کا انکشاف کر رہے ہیں۔ اور اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ حیدرآباد کو انڈین یونین میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد کی حکومت کوئی نیا فتنہ کھڑا کرے گی۔ نواب چھتاری نے حیدرآباد کے وزیر اعظم کی حیثیت سے کہا ہے کہ ہم کسی یونین میں شامل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ہندوستان میں شامل ہوئے تو مسلمان ناراض ہو جائیں گے۔ حیدرآباد میں سر والٹر مانگٹن جیسے انگریز ڈپلومیٹ کی

موجودگی سے اندیشہ ہے کہ حیدرآباد کو ایک اڈہ بنانے کے لئے انگریز ایک خود مختار ڈومینین کی حیثیت سے قائم رکھنے کی کوشش کریں گے۔ پنجاب اور اس سے ملحقہ جات ریاستوں میں آزاد میو سلطنت قائم کرنے کی کوششیں انہی لائنوں پر کی گئی تھیں۔ مہاراجہ بھرت پور نے بتایا ہے کہ اس مقصد کے لئے میوؤں کے ہر ایک گاؤں میں ایک خاص دن سبز رنگ کے جھنڈے لہرائے گئے تھے۔ اور فساد شروع کر دیا گیا تھا۔ بھرت پور الور اور گوڑ گاؤں میں اس وجہ سے تباہی ہوئی۔ دہلی کے مسلم لیگی ان علاقوں میں اسلحہ بھیجتے رہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس میں مسلم لیگ کے ذمہ دار لیڈروں کا ہاتھ نہ ہو۔

۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۴۷ء

سرحد میں ریفرنڈم کا نتیجہ نکل آیا۔ کانگرس تو بائیکاٹ کر چکی تھی۔ اس لئے ریفرنڈم کا نتیجہ لیگ کے حق میں ظاہر ہونے پر تعجب نہیں ہوا۔ لیگ کو یک طرفہ ریفرنڈم کے نتیجے پر بھی شبہ تھا اس لئے بیشمار مرے ہوئے لوگوں کے نام پر ووٹ ڈالے گئے۔ ان حالات میں اکاون فیصدی سے بھی کم ووٹ حاصل کر کے لیگ نے کوئی کارنامہ نہیں دکھایا البتہ سرحد کو پاکستان میں شامل کرنے کی کوششیں کامیاب ہو گئیں۔ مسٹر جناح اب کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر خان صاحب کو مستعفی ہونے کا حکم دیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حکم دے دیا ہے کہ ہر شخص اپنے مکان کو آگ سے بچانے کے لئے خود انتظام کرے اور بلا وجہ اپنے مکان کو چھوڑ کر نہ جائے۔ کیا مضحکہ خیز حکم ہے۔ جو لوگ آگ لگا رہے ہیں وہی جلنے والوں کو نہ جلنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ لیکن جب آگ لگے گی تو اسے جلنے والے کیوں کر بجھا سکتے ہیں۔

نامعلوم کچھ اخبار کیوں یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ لاہور ہندوستان میں جائے گا۔ معلوم نہیں صرف ایک خبر سے کتنے لوگوں کی جانیں ضائع جائیں گی اور لاہور پاکستان میں شامل ہوگا۔ یہ بات واضح کرنے میں کیوں پس و پیش کیا جا رہا ہے۔ میوہ منڈی۔ فلیمنگ روڈ۔ موچی گیٹ اور بھاٹی گیٹ میں آج سارا دن چھرے چلتے رہے۔ شہر میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ کب امن قائم ہوگا اور کب لوگ چین سے زندگی بسر کریں گے۔

۲۷ جولائی ۱۹۴۷ء

ایک مسلمان دوست تشریف لائے۔ انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ لاہور سے نکل جانا چاہیئے۔ کیونکہ چند دنوں میں ٹرینوں پر حملے شروع ہونے والے ہیں اور لاہور سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک ذمہ دار دوست کی اس بات پر شک نہیں ہوتا لیکن لاہور چھوڑنے پر طبیعت نہیں آتی۔ نہ جانے مستقبل میں کیا لکھا ہے۔

مسٹر جناح کا بیرسٹری کا دور آج سے ختم ہو گیا۔ گلوب کی ایک خبر کے مطابق بمبئی ہائیکورٹ کے باہر اب تک ایک بورڈ آویزاں تھا۔ جس پر لکھا تھا "مسٹر محمد علی جناح بیرسٹر ایٹ لاء" اب یہ بورڈ اتار دیا گیا ہے اور مسٹر جناح نے مالا بار ہل کی کوٹھی فروخت کر دی ہے۔ نئی دہلی کی کوٹھی سیٹھ ڈالمیا خرید رہے ہیں۔ مسٹر جناح اس وقت ایک وکیل اور کانگرس کے لیڈر تھے۔ پاکستان کا تصور پہلی مرتبہ پیش ہوا۔ تو مسٹر جناح نے اسے ایک طفلانہ خیال قرار دیا۔ اور اب پاکستان کے بانی اور اس کے پہلے گورنر جنرل ہیں۔ تاریخ اس واقعہ کو کبھی نہیں بھولے گی۔

لاہور کی آگ بجھانے کا کسی کو خیال نہیں۔ دہلی میں آزادی کا جشن منانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اور ماسٹر تارا سنگھ بھی کہہ رہے ہیں کہ انہیں خوشی ہے کہ مشرقی پنجاب میں تمام سکھ آباد ہو جائیں گے اور اس طرح سے سکھوں کا ایک نیشنل ہوم بن جائے گا۔ ان کا جو بیان شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے کہا ہے کہ ماتری بھومی کے متعلق سکھوں کا خواب ضرور پورا ہوگا۔ ہم اسے حاصل کرنے کے لئے پوری طرح سے لڑیں گے۔ بونڈری کمیشن کے ایوارڈ کے بعد آبادیوں کا تبادلہ کر کے ہم کم از کم ایک یونٹ قائم کر سکیں گے۔ جس میں سکھوں کی موثر آواز ہوگی۔

آبادیوں کا تبادلہ ایک خوفناک خیال ہے۔ مسٹر جناح بھی اسی کے حامی ہیں۔ اور مجھے تو اندیشہ ہے کہ عوام کی رضامندی کے بغیر آبادیوں کا تبادلہ سارے پنجاب میں ایک خوفناک تباہی لائے گا۔ ہندو ہوں یا سکھ کوئی شخص اپنا گھر بار نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اور اگر آبادیوں کا تبادلہ کرنے کی اسی طرح کوشش کی گئی جس طرح پاکستان قائم کیا گیا ہے تو نہ معلوم آزادی دیکھنے کے لئے کتنے لوگ زندہ رہیں گے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۴۷ء

چھرے بازی اور آتشزنی کی وارداتیں رکتی نظر نہیں آتیں۔ کرشن نگر میں چھرے بازی ہوتی ہے اور راوی روڈ پر بھی۔ قومی سطح پر بدلے لئے جا رہے ہیں۔ کرشن نگر میں مسلمان تانگے والوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ موچی گیٹ اور بھاٹی گیٹ میں ہندو اور سکھ راہگیروں کو۔ گداگر اور مزدور ہندوستان اور پاکستان زندہ باد کے نعروں کے درمیان موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ کیا شان ہے آزادی کے سورماؤں کی گھروں

میں بیٹھے بیٹھے تار ہلاتے ہیں اور بے گناہوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ آج ایک ہندو اخبار فروش موچی گیٹ میں قتل کیا گیا۔ ہندوؤں نے سنت نگر میں ایک مسلمان گداگر کو جسے اس کی بد قسمتی کھینچ لائی تھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے دھرم کا "وقار" بلند رکھا ——!

عجیب قصے چلتے ہیں۔ ایک مسلمان دوست کہہ رہے تھے کہ ہندو لاہور میں خفیہ طور پر ٹینک لے آئے ہیں۔ میں نے کہا۔ عقل مانتی ہے کیا اس بات کو؟ وہ کہنے لگے صاحب آج کی دنیا میں کیا ناممکن ہے۔ ہندو علقوں میں یہ افسانہ جگہ جگہ سنا جا رہا ہے کہ ایک ہندو نوجوان اپنے گاؤں میں گیا۔ تو اس نے دیکھا کہ تمام ہندو اور سکھ ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ ایک مسلمان دوست نے اسے اپنے گھر میں پناہ دی مگر مکان میں داخل ہوتے ہی دروازے بند کر دیئے گئے اور مسلمان دوست چھرا تان کر کھڑا ہو گیا۔ ہندو نے کہا تم تو میرے دوست ہو۔ اس نے کہا میرے بھائیوں کو ہندوؤں نے قتل کر دیا ہے۔ اس کا بدلہ تم سے لوں گا۔ ہندو نے کہا۔ اچھا اگر تم مارنا ہی چاہتے ہو تو مجھے کھانا تو کھلا دو۔ اس نے چھرا دہیں رکھا اور کھانا تیار کرنے کے لئے چلا گیا ہندو نوجوان نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور چھرا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا۔ جب مسلمان کھانا لے کر آیا تو ہندو نوجوان نے جو کواڑ کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ چھرا گھونپ کر اپنے بے رحم دوست کو ٹھنڈا کر دیا اور رات کی تاریکیوں میں غائب ہو کر لاہور آ گیا۔ افسانہ گھڑنے والے کا دماغ نہایت زرخیز معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی تردید کرنے کی کسی کو جرأت نہیں میں نے تو کتنے ہی لوگوں سے یہ داستان سنی ہے۔ جب کسی سے کہا جائے۔ یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا۔ تو سنانے والا کہتا ہے۔ صاحب، آپ کیا سمجھیں ان باتوں کو۔ یہ چیز تو ہم پہ بیتی ہے آپ ہمیں جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کہانی پھیلتی جا رہی ہے۔ ہر داستان گو اپنے

آپ کو اس داستان کا ہیرو ظاہر کرتا ہے۔ لاہور بدستور خالی ہو رہا ہے۔ آچاریہ کرپلانی نے ایک بیان میں اپیل کی کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہیں۔ آچاریہ جی لیڈر ہیں اور مزے سے تقریریں کر رہے ہیں۔ لاہور میں ہوتے ہوئے بھی تو ان کی حفاظت کے لئے پولیس کی ایک گارد ان کی کوٹھی کے باہر ہے۔ لیکن جو لوگ شہر کو چھوڑ رہے ہیں۔ انہیں تو سٹیشن پر پہنچنا بھی اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ اپنے گھر بار کو کون خوشی سے چھوڑتا ہے لیکن جب حفاظت کی کوئی گارنٹی نہ رہے تو لوگ گھر کیا ملک کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں۔ میرے پڑوسی ایک ایک کر کے لاہور سے باہر جا رہے ہیں تو کیا تنہائی میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر میں بھی لاہور میں رہ سکوں گا۔

ایک اور ٹرین پر حملہ ہو گیا۔ جالندھر کے نزدیک کانگڑہ کے سٹیشن پر ایک مسافر گاڑی روک کر تین مسافروں کو ہلاک کر دیا۔ اور کئی ایک کو زخمی کر دیا گیا۔ مرنے والے مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلا حملہ ہندو اور سکھ مسافروں پر ہوا تھا۔ پیشین گوئی درست ثابت ہو گئی ہے۔ گاڑیوں پر اس طرح حملے ہونے لگے تو قیامت آ جائے گی۔

سنا ہے مہاتما گاندھی کشمیر جا رہے ہیں۔ کشمیر میں مسلم لیگ کچھ گڑبڑ کرنے والی ہے۔ مہاتما گاندھی ہی کشمیر کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

نواں باب

یکم اگست ۱۹۴۷ء

اگلے روز مہاتما گاندھی کشمیر جاتے ہوئے لاہور سے گزرے۔ مہاتما جی مہاراجہ کشمیر سے ملنے جا رہے ہیں تاکہ انہیں شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرنے اور ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی ترغیب دیں۔

لاہور کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہوا لیکن مجھے تو یقین ہو رہا ہے کہ لاہور پاکستان کا حصہ بنے گا۔ ایسا نہ ہوتا تو مشرقی پنجاب میں ۱۵ راگست کی تقریب منانے کے لئے لاہور کی بجائے شملہ میں کیوں تیاریاں کی جاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے لیڈر سب کچھ جانتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کر رہے۔ ممکن ہے کچھ مصلحتیں ہوں مگر یہ مصلحتیں کوئی نیا گل کھلائیں گی۔

یونینسٹوں کے سابق وزیر میجر عاشق حسین کو چوبرجی کے نزدیک ایک کانسٹیبل نے

ہلاک کر دیا ہے۔ میجر صاحب کسی دوست سے ملنے کار پر جا رہے تھے۔ کانسٹیبل نے کار روک لی۔ کچھ تو تو میں میں ہوئی۔ پھر قاتل نے گولی چلائی۔ میجر صاحب مسٹر لیاقت حیات خاں کے داماد اور خضر حیات خاں کی منسٹری کے ممبر تھے۔

لاہور بدستور جل رہا ہے۔ چھرے گھونپے جا رہے ہیں۔ اسپتالوں کی حالت یہ ہے کہ زخمیوں کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔

۳ ر اگست ۱۹۴۷ء

لاہور سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ حکومت نے مارشل لاء نافذ کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر گوپی چند بھارگو دوڑ دھوپ کر رہے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آواز کا بھی کوئی اثر نہیں رہا۔ آج کسی نے موٹر سائیکل پر چلتے ہوئے چیمبرلین روڈ کی مسجد پر بم پھینک دیا۔ بم پھٹنے کی آواز سن کر سردار سردول سنگھ کویشر اور سردار موہن سنگھ ساہنی اپنے دفتروں سے باہر نکل کر آئے تو پولیس نے ان کو گرفتار کر لیا۔ بم پھینکنے والا تو بھاگ گیا مگر دو بیگناہوں کے خلاف مقدمہ چلے گا۔ عجیب انصاف ہے یہ بھی۔

چوبرجی۔ موتی بازار۔ مغل پورہ اور کسیرہ بازار سے لوگ بھاگ رہے ہیں۔ کرشن نگر اب تک محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ مگر راستے خطرناک ہیں۔ اس لئے ہزاروں لوگ جان کے خوف سے بھاگ رہے ہیں۔ حالت بہت خطرناک ہے۔ آج ایک کے سوا باقی سب اخبار پندرہ روز کے لئے بند ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دفتر میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ کیا پتہ کہ یہ ہمارے اخباروں کے مکمل جلنے کا پیش خیمہ ہو اور ہمیں بوریا بستر اٹھا کر کہیں بھاگنا پڑے۔ سوچتا ہوں کہ یہی حالت رہی تو کہاں جگہ ملے گی۔

دہلی میں کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے مسلم لیگی ممبروں میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا ہے کہ میں پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے باوجود ہندوستان کا شہری رہوں گا۔ میری حالت لارڈ مونٹ بیٹن کی طرح ہے جو ہندوستان کے گورنر جنرل تو ہیں مگر شہری نہیں۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کو ہندی سیکھنے کی ترغیب دی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ تقسیم کے بعد انہیں پاکستان سے کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔

کاش یہ درست ہو۔ آثار تو اس کے برعکس نظر آتے ہیں۔ نواب ممدوٹ سے ملنے والے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ مسٹر جناح کے خیال میں ابھی کئی اور پاکستان بنیں گے۔ حیدر آباد اور بھوپال خود مختار ہو جائیں گے اور مسلم لیگیوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ دوسرے صوبے چھوڑ کر ان ریاستوں میں آباد ہو جائیں۔ اگر یہ حالت ہوئی تو ہندوستان میں کیونکر امن قائم ہو گا۔

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء

کل امن تھا مگر آج جگہ جگہ چھرے چل رہے ہیں اور جگہ جگہ آگ لگ رہی ہے۔ کانگرس کمیٹی اور دوسری جماعتوں کی طرف سے لارڈ مونٹ بیٹن کو تار بھیجے گئے ہیں کہ لاہور کی حالت خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ فساد پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے اس لئے سارے شہر میں فوج تعینات کر دی جائے۔ اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہے ہیں ان سے تو اپنی سلامتی کی امید بھی نہیں۔ شہر تک جانا خطرناک ہو گیا ہے کیونکہ چھرے باز اہم ناکوں پہ کھڑے ہوئے حملے کر رہے ہیں۔ سٹیشن کو جانے والا راستہ بھی خطرناک ہے۔ قتل کے ساتھ ہی اغوا کے واقعات بھی ہو رہے ہیں۔

۵ اگست ۱۹۴۷ء

خون ریزی بڑھ رہی ہے۔ لاہور اور امرتسر کی آگ لائل پور، فیروزپور اور لدھیانہ تک پھیل گئی ہے۔ آج امرتسر سے کچھ زخمی آئے تھے ان کے آتے ہی چھرے بازی تیز ہو گئی اور جگہ جگہ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

کرشن نگر آدھے سے زیادہ خالی ہو گیا ہے۔ لیکن ابھی یہ جگہ محفوظ ہی ہے کیونکہ فسادیوں کو اندیشہ ہے۔ کرشن نگر میں مقابلہ کرنے والے موجود ہیں۔ تاہم جس رفتار سے لوگ بھاگ رہے ہیں اس سے کسی وقت بھی کرشن نگر پر مصیبت نازل ہو سکتی ہے ——

پنڈت آتم سروپ میرے ایک قریبی دوست ہیں۔ ملاپ میں ہمارے ساتھ کام کرتے تھے سنا ہے آج انہیں بھی کسی نے قتل کر دیا۔ رام لال مہاجن بیوی سمیت سرحد پہ ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ یہ خبریں سن کر دل کانپ اٹھا۔ مہاجن ان لوگوں میں سے تھا جو سب سے پہلے لاہور سے چلے گئے تھے۔ لیکن اپنے شہر پہنچ کر بھی اپنی حفاظت نہ کر سکے۔ دوست اور عزیز ایک ایک کر کے ختم ہو رہے ہیں۔ کیا پتہ اپنی باری آ جائے۔ فساد کی وجہ سے راشن بھی نہیں ملتا۔ دکانیں بند ہو گئی ہیں۔ آج ایک وقت بھوکے رہے کل شاید کھانے کے لئے کچھ نہ ملے۔

۶ اگست ۱۹۴۷ء

یہ آگ نہیں رکے گی لاہور ہی نہیں سارا پنجاب بھی جل کر خاک ہو جائے گا۔ آگ تو پھیلتی جا رہی ہے۔ انبالہ، موگا اور گوجرانوالہ میں بھی حملے ہو رہے ہیں۔ حکومت نے فسادیوں کو سزا دینے کے لئے سرسری سماعت کا آرڈیننس پاس کر دیا ہے لیکن جب ہر شخص قاتل

اور لٹیرہ بن رہا ہے تو قانون کیا کرے گا۔ لوگ مکان خالی کر کے بھاگ رہے ہیں اور دوسرے لوگ تالے توڑ کر مکانوں کے مالک بنتے جا رہے ہیں۔

۷ اگست ۱۹۴۷ء

مہاتما گاندھی کشمیر سے لوٹ کر دہلی روانہ ہو گئے ہیں۔ ایک صاحب اُن سے ملے انہوں نے دلچسپ قصہ سُنایا۔ مہاتما جی مہاراجہ کشمیر کے پاس ٹھہرنے کی بجائے بیگم عبداللہ کے ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے۔ مہاراجہ نے مہاتما جی کے پاس پھل اور مٹھائیاں بھیجیں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مہارانی خود چاندی کے تھال میں مٹھائیاں رکھ کر اور سونے کے گلاس میں دودھ ڈال کر لائیں۔ مہاتما جی دیکھ کر مُسکرا دیئے۔ مہارانی کو دیکھ کر انہوں نے کہا۔ میں تو ایک ناچیز مہمان ہوں۔ مجھے خوش کرنے کی بجائے شیخ عبداللہ کو مناؤ۔ جب تک تمہارے راج میں ایک بھی شخص دُکھی ہے اور عوام کا لیڈر جیل میں ہے میں تمہارے ہاتھ کا پانی بھی نہیں پی سکتا۔

لاہور میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ امرتسر سے آنے والا ہر شخص چھُرے باز معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے نواب ممدوٹ کی کوٹھی پر مظاہرہ کیا تھا۔ نواب صاحب نے پہلے تو سمجھانے کی کوشش کی۔ نہ مانے تو چھٹی دے دی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ شہر کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں رہا۔ کرشن نگر کی بستیوں کے نزدیک بھی حملے شروع ہو گئے۔ یہی حالت امرتسر میں بھی ہے۔ ایک شہر کا بدلہ دوسرے شہر سے لیا جا رہا ہے۔ شہر میں فوجیں تو آرہی ہیں اور جگہ جگہ نئی چوکیاں بن رہی ہیں لیکن حملے ختم ہونے میں نہیں آتے۔

بنگال میں امن نظر آتا ہے۔ دونوں حصّوں کے وزیر اعظموں نے علیحدگی کے وقت

ایک دوسرے کے گلے میں ہار ڈالے۔ خواجہ ناظم الدین مسٹر سہروردی کو پچھاڑ کر مشرقی بنگال کے وزیر اعظم بن گئے۔ ڈاکٹر گھوش مغربی بنگال کے وزیر اعظم بنے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا کہ بنگال میں امن ہو سکتا ہے پنجاب میں کیوں نہیں؟

سرحد اسمبلی کے سپیکر نواب زادہ اللہ نواز خان بدستور گرج رہے ہیں۔ انہوں نے پٹھانستان کا نعرہ بلند کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم لارڈ ماؤنٹ بیٹن مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو کو اپیل کرتے ہیں کہ وہ پٹھانستان کا مسئلہ حل کریں۔ ورنہ ہم یو این او میں جائیں گے۔ کیونکہ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور اگر اسے کھٹائی میں ڈالا گیا تو صوبہ سرحد میں انقلاب آجائے گا۔

حیدر آباد کو ایک الگ اور خود مختار ریاست بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور ان کوششوں میں سر والٹر مانکٹن کا ہاتھ ہے۔ حیدر آباد کے اخبار سلطنت نے لکھا ہے کہ برطانوی اقتدار کے ہندوستان سے خاتمہ کے بعد جس طرح ہند اور پاکستان کی مملکتیں وجود میں آئیں۔ اسی طرح آزاد خود مختار حیدر آباد کی تیسری مملکت بھی وجود میں آئے گی۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے سابق لیگی اخبار بھی یہی راگ الاپ رہے ہیں۔ بمبئی کے الہلال نے لکھا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن نہ صرف برار کو ہی ہڑپ کرنا چاہتے ہیں بلکہ حیدر آباد کو بھی کانگرسی سرمایہ داروں کی جاگیر بنانے پر تلے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہندوستان بن گیا مگر مسلم لیگیوں کی غداری نہ گئی۔ نواب رام پور وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں مسلم لیگ نے وہاں فساد کرا دیا ہے اور نواب صاحب پر دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ وہ بھی خود مختاری کا اعلان کر دیں۔ اگر ہندوستان میں اس وقت جرأت سے

کام نہ لیا گیا تو عین ممکن ہے ریاستوں میں خانہ جنگی شروع ہو جائے۔

۸ راگست ۱۹۴۷ء

مسٹر جناح ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان آ گئے ہیں۔ انہوں نے روانگی کے وقت دہلی کے شہریوں کو پیغام دیتے ہوئے کہا۔۔۔۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ ہند خوشحال ہو اور سب لوگ ماضی کی تلخیوں کو بھول کر مل کر کام کریں۔

مسٹر جناح امن کی حمایت کر رہے ہیں۔ امن قائم ہونا چاہیئے۔ مگر لاہور میں امن قائم نہیں ہوتا۔ تو اور کہاں ہو گا۔ لاہور میں کافی فوج آ گئی ہے۔ جگہ جگہ چوکیاں قائم ہو گئی ہیں۔ مگر نہ آتش زنی کی وارداتیں رکتی ہیں نہ چھُرے بازی رکتی ہے۔

مال روڈ اب تک محفوظ سمجھی جاتی تھی۔ مگر اب وہاں بھی حملے ہو رہے ہیں اور آگ لگ رہی ہے۔ شہر میں کوچہ بان والی۔ کوچہ لال مصری محلّہ جولوٹیاں۔ کوچہ بابیاں۔ محلہ ستھاں۔ بنگالی محلہ اور لاہوری گیٹ کے باہر چھُرے چل رہے ہیں مغل پورہ۔ چوبرجی اور دوسری بستیاں عملی طور پر خالی ہو چکی ہیں۔ لوگ مکانوں کے علاوہ موٹر گاڑیاں تک چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں سٹیشن کو جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ بسوں اور ٹرکوں والے دس دس گنا زیادہ کرایہ وصول کر رہے ہیں۔ سٹیشن پر قلی بھی ہاتھ رنگ رہے ہیں۔ ہر شخص دُوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر فائدہ اٹھانے پر تلا ہُوا ہے۔

نواب ممدوٹ کی کوٹھی پر ڈاکٹر گوپی چند بھارگو۔ سردار سورن سنگھ لالہ بھیم سین سچر اور نواب ممدوٹ میں بات چیت ہوئی۔ صلح کی گفتگو تو بہت ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

مہاتما جی نے لاہور سے گذرتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو لاہور میں ہی رہنے کی

تلقین کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ لاہور مر چکا ہے یا مر رہا ہے تو یہاں سے مت بھاگو۔ بلکہ جس لاہور کو آپ مرا ہوا سمجھتے ہیں اس کے ساتھ مر جانا چاہیئے۔

مہاتما جی مہاتما ہیں۔ لیکن ایک تو ہر شخص مہاتما نہیں ہو سکتا اور دوسرے شاید مہاتما جی کو پنجاب میں قتل و خون ریزی کی شدت کا پورا علم نہیں ہے۔ کوئی لیڈر شپ بھی تو نہیں جو ان کی طرح جرأت سے کام لے۔ اس لئے پنجاب کے بچ نکلنے کی اُمید کہاں ؟

مہاتما جی کا دل دکھی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں اپنی زندگی کا باقی حصہ پاکستان میں گذاروں گا اور پوربی بنگال یا پچھمی بنگال کو اپنا مسکن بناؤں گا۔

مہاتما جی چلے گئے ہیں۔ انہوں نے بہادروں کی طرح موت کا سامنا کرنے کا پیغام دیا ہے لیکن فرقہ وارانہ منافرت کی آگ میں بہادری سے جلنا عام آدمی کی ہمت نہیں ہے۔ انتقام در انتقام کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اس چکر کو کوئی دل گردے والا ہی توڑ سکتا ہے۔

۱۰ / اگست ۱۹۴۷ء

پروفیسر برج نارائن چھرے کا شکار ہو گئے۔ اپنے فلسفیانہ دلائل کے ذریعہ چھرے بازوں کو قائل کرنے کے لئے مکان کے نیچے اُترے تھے کہ فسادیوں نے پنجاب کی اس نامور ہستی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پروفیسر برج نارائن اقتصادیات کے ماہر تھے۔ اقتصادی مسائل پر انہیں اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔ زندہ رہتے تو پاکستان کے لئے مفید ثابت ہوتے لیکن فسادی کس کی پرواہ کرتے ہیں۔

پنجاب بونڈری فورس کے کمانڈر میجر جنرل ریز نے مشرقی اور مغربی پنجاب کے

سرحدی علاقوں میں غیر جانبداری سے امن قائم کرنے اور اقلیتوں کی حفاظت کرنے کا یقین دلایا ہے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ یہی فوج فساد کی آگ بھڑکا رہی ہے۔ سرحدی علاقوں میں ہی تو انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ حاکم ایماندار ہوں تو آج امن قائم ہو جائے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اعلان کیا ہے کہ شہر میں امن ہے مگر مکانوں کی چھتوں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

چھرے بازی کی وبا لائل پور اور ہوشیار پور میں بھی پہنچ گئی ہے۔ ترن تارن اور دوسرے قصبے بھی خون خرابے کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

لالہ بھیم سین سچر ملے تھے۔ پاکستان کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے اجلاس میں شامل ہونے کے لئے کراچی جا رہے تھے۔ کہنے لگے۔ میں اور گیانی کرتار سنگھ پاکستان میں ہی رہیں گے۔ اور اقلیتوں کو اپنے حق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کے لئے تیار کریں گے۔ گیانی جی ایک نئی پارٹی بنانا چاہتے ہیں۔ رائے بہادر بدری سرن، سردار اوتم سنگھ دوگل نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ راولپنڈی کے یوگی رام ناتھ اور مسٹر پریم بھسین بھی پاکستان میں رہ کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ساتھی پوچھ رہے تھے کہ تم کہاں جاؤ گے؟ میں نے کہا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان کو چھوڑنا ممکن نہیں۔ نہ ہی مجھے خواہش ہے۔ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔ حد بندیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر کوئی اپنے گھروں کو تو نہیں چھوڑتا۔ کہنے کو کہہ تو دیا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ ساری گلی میں میرے سوا صرف دو اور آدمی رہ گئے ہیں۔ دوکانیں بند ہو چکی ہیں۔ کھانے کے لئے گھر میں جو کچھ ہے۔ اُس کے سوا کچھ ملتا ہی نہیں۔ کرشن نگر شہر سے کٹ چکا ہے۔ اس لئے نہ سبزی آتی

ہے نہ آٹا۔ یہی حالت رہی تو نہ معلوم کیا حشر ہو۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء

شہر کی حالت بے حد نازک ہو گئی ہے۔ جگہ جگہ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ گلی میں اب ہم دو آدمی ہی رہ گئے ہیں۔ رات کو آگ کے شعلے نظر آتے ہیں تو کرشن نگر کے سناٹے میں جی کانپ اٹھتا ہے۔ لال اور سبز رنگ کی روشنیاں جو چند دن پہلے منٹ منٹ کے بعد آنکھ مچولی کرتی ہوئی نظر آتی تھیں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اپنے من کے چور کو تسلی دینے کے لئے کچھ لوگ رات کو نعرے تو بلند کرتے ہیں مگر ہر ایک کو خوف ہے کہ اگر پول کھل گیا۔ تو کرشن نگر کی خیر نہیں۔ شہر سے کوئی خبر ہی نہیں آتی۔ دن کو مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر دھوئیں کے بادل نظر آتے ہیں اور رات کو شعلے یا ریڈیو کی سنسر شدہ خبریں ان کے سوا کچھ معلوم نہیں تھا۔ بس سروس بھی بند ہو گئی ہے۔ جاری رہتی تب بھی کون جان کو خطرے میں ڈال کر سوار ہوتا۔ دہلی ریڈیو نے خبر سنائی ہے کہ کشمیر کے وزیر اعظم پنڈت رام چند کاک نے استعفےٰ دے دیا ہے اور مہاراجہ کے رشتہ دار کرنل جنگ سنگھ نے وزیر اعظم کے عہدہ کا چارج لے لیا ہے۔ شاید یہ واقعہ شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی رہائی کا پیش خیمہ ہے۔

دسواں باب

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

پنجاب کے دونوں حصوں میں فساد کی آگ پھیل رہی ہے۔ امرتسر اور اُسکے گرد ونواح میں لاہور کا خونی ڈرامہ دہرایا جا رہا ہے۔ امرتسر سے لاہور آنے والے اور لاہور سے امرتسر جانے والے زیادہ تر حالتوں میں موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لاہور ریلوے سٹیشن کل صبح تک محفوظ تھا۔ سٹیشن کے باہر نکاسیوں کی امداد کے لئے ہندو اور مسلم کیمپ بنے ہوئے تھے۔ شام کے وقت ہندو کیمپ کو آگ لگا دی گئی۔ کچھ آدمی مر گئے۔ باقی جان بچا کر بھاگ گئے۔ رات کو سٹیشن پر باہر جانے کے لئے گاڑیوں کی انتظار کرنے والے ہزاروں لوگ پلیٹ فارموں پر موجود تھے۔ آدھی رات کے بعد امرتسر سے جو گاڑیاں آئیں ان سے اُترنے والوں نے بھپرے ہوئے چیتوں کی طرح ان مسافروں پر حملہ کر دیا مسلم نیشنل گارڈ کے مسلح

والنٹیر پہلے ہی موجود تھے۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر خون سے ہاتھ رنگے۔ کہتے ہیں۔ آناً فاناً میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ سٹیشن پر شاید ہی کوئی شخص زندہ بچا ہو پولیس اور ملٹری تماشائیوں کی طرح کھڑی رہی سٹیشن کے سٹاف نے اب تک دماغی توازن نہیں کھویا تھا لیکن کل رات تو ان میں بھی فساد ہو گیا۔ سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے مطابق سٹاف کے ایک حلقہ کے ممبروں کو کلہاڑیوں رائفلوں اور گولیوں سے ہلاک کر دیا گیا۔ ایک مسلمان گارڈ نے ایک ہندو ٹکٹ کلکٹر کو اپنا لباس پہنا کر گاڑی پر سوار کر دیا اور اس کے بال بچوں کو اپنے کوارٹر میں لے جا کر ان کی حفاظت کی۔ باقی لوگوں میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچ سکا ہو۔ یونین روڈ پر ایک ٹرک میں کچھ پریوار جان بچا کر جا رہے تھے کہ فسادیوں نے ان پر حملہ کر دیا سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ کرشن نگر اور رام نگر سے شہر اور چھاؤنی کے سٹیشنوں پر جانا ناممکن ہے۔ تانگے چلنے بند ہو گئے۔ بیچارے تانگے والے جان کے خوف سے نہ جانے کہاں پہنچ گئے۔ شہر سے باہر جانے والی کوئی ریلوے ٹرین محفوظ نہیں تھی۔ اوّل تو سٹیشن پر ہی حملہ ہو جاتا تھا۔ اور اگر یہاں سے کوئی بچ نکلتا تھا تو گاڑیاں کچھ فاصلہ پر ٹھہرا کر چن چن کر مسافروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ۔ دوستوں۔ رشتے داروں کی مدد سے فوجی ٹرک نے کر مٹرک کے راستے امرتسر کا رُخ اختیار کر لیتے ہیں لیکن ان پر سٹیشن اور مغلپورہ کے درمیان حملے ہو جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امرتسر سے آنے والے لوگوں۔ کے مجبور کرنے پر یہاں کے کچھ فسادی نواب ممدوٹ کی کوٹھی پر گئے تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں انتقام لینے کی اجازت دی جائے۔ نواب ممدوٹ نے پس و پیش کی تو انہوں نے سیاپا کیا اور اس طرح قتل و خون کے لئے سند حاصل کر لی۔ ایک دوست کا فون آیا تھا کہ خدا کے لئے جیسے ہو یہاں

سے نکل جاؤ۔ ورنہ خون کی ندیاں بہنے والی ہیں۔ کوئی کسی کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ سوچتا ہوں کہ کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ بچ نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ سارا علاقہ خالی ہو گیا۔ دن کو سناٹا چھایا رہتا ہے رات کو اُلّو بولتے ہیں۔ دور دور تک آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

۱۶ اگست ۱۹۴۷ء

ریڈیو خراب ہو گیا۔ لوکل سٹیشن کے بغیر کوئی سٹیشن پکڑا ہی نہیں جاتا۔ اس لئے معلوم نہیں دہلی میں کس طرح آزادی کا جشن منایا گیا۔ لاہور میں تو خوب دھوم دھام کی گئی۔ جلوس نکلے۔ ریڈیو پر تقریریں ہوئیں اور گانے گائے گئے۔ اقلیتوں کی حفاظت کی تسلی دی گئی۔ مگر "کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہوتے تک" کے مصداق کون کہہ سکتا ہے کہ ان وعدوں کو عملی صورت دینے کا موقعہ بھی آئے گا اگر اس سے پہلے ہی اقلیتیں ختم ہو گئیں تو ان وعدوں کی کیا حقیقت؟

کہتے ہیں آگ لگانے والے بہادروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ آگ نہ لگائیں۔ کیونکہ یہاں کی ہر جائداد پاکستان کی قومی جائداد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکینوں کو تو بے شک موت کے گھاٹ اُتار دو یا بھاگ جانے پر مجبور کر دو۔ مگر ان کے مکانوں کو آگ نہ لگاؤ۔

پنڈت آتم سروپ کے متعلق آج یہ سُنا گیا ہے کہ انہیں قتل نہیں کیا گیا بلکہ کچھ پٹھان انہیں اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ نہ جانے کونسی بات درست ہے۔ کشمیر سے خبر آئی ہے کل سری نگر میں دیپ مالا کی گئی۔ لوگوں نے پنڈت رام چندر کاک کی برطرفی پر خوشی کے

مظاہرے کئے۔ اور امید کی جا رہی ہے کہ شیخ عبداللہ کو جلد ہی رہا کر کے وزیر اعظم مقرر کر دیا جائے گا۔

یہ بھی سنا ہے کہ مہاراجہ کشمیر انڈین یونین میں شامل ہونے کے حق میں ہیں۔ مگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ریفرنڈم کئے بغیر کسی قسم کا فیصلہ نہ کریں۔ ایک برٹش ڈپلومیٹ اس مقصد کے لئے سری نگر پہنچا ہوا ہے۔

سرحد میں لیگی لیڈر آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ ارباب عبدالغفور خاں اور خان محمد غلام خان نے مسٹر جناح کو تار بھیجا ہے کہ چونکہ مسٹر عبدالقیوم خاں کشمیری ہیں۔ اس لئے پٹھان انہیں اپنا لیڈر تسلیم نہیں کریں گے۔ مسٹر عبدالقیوم خاں مسٹر جناح کے نزدیکی آدمی ہیں۔ اس لئے اُمید نہیں کہ ان کے بغیر کوئی اور سرحد کا نیا وزیر اعظم بنے۔

۱۷ اگست ۱۹۴۷ء

مسٹر جناح نے اعلان کیا ہے کہ ہم کسی امتیاز کے ساتھ حکومت شروع نہیں کر رہے ہمارے یہاں فرقہ اور ذات پات کا کوئی بھید نہیں ہوگا۔ ہم اس بنیادی اصول سے اپنا کام شروع کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ملک کے شہری ہیں اور اگر ہم اس عقیدے سے چلیں تو کچھ عرصہ کے اندر اکثریت اور اقلیت صوبہ پرستی اور ذات پات کے تمام تعصب کافور ہو جائیں گے۔ قوم کے شہری کی حیثیت سے ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔"

اعلان کے الفاظ نہایت دلکش ہیں۔ کاش ان پر عمل بھی ہو۔ عمل کی حالت یہ ہے کہ آج تو لاہور میں فسادیوں نے انتہا کر دی۔ سرکاری اطلاع کے مطابق دو دن میں ۱۵۰

اشخاص ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ ۶۰ سے زیادہ مقامات پر آگ لگی ہے۔ آج ایک بجے دوپہر تک ۲۹ اشخاص ہلاک ہو چکے ہیں۔ تین آدمیوں کو گرانڈ ٹرنک روڈ پر چمڑہ مارکیٹ کے نزدیک ہلاک کیا گیا۔ بعد میں اسی جگہ پانچ آدمیوں پر حملہ ہوا۔ سلطان پورہ میں اکرم روڈ پر تین آدمیوں کو چھرے سے ہلاک کیا گیا۔ صبح کے وقت بھاٹی گیٹ کے باہر ایک سائیکل سوار کو ہلاک کیا گیا۔ صدر بازار میں دو درجن دوکانوں اور مکانوں کو آگ لگا دی۔ چونہ منڈی۔ محلہ ستھاں۔ چوک سرجن سنگھ۔ کوچہ پٹ پٹیاں اور شیرانوالہ گیٹ میں خوفناک آگ لگی ہوئی ہے۔ دھوئیں کے گہرے بادل ساری فضا پر چھائے ہوئے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ لوگ بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے اور مکان لوٹ لئے جاتے ہیں جو مکان ابھی تک خالی نہیں ہوئے انہیں خالی کرانے کیلئے آگ سے جلا دیا جاتا ہے۔ لاہور سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔ بہتر ہوتا کہ اس طرح خون خرابہ کرنے کی بجائے آبادیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا۔

۱۸ اگست ۱۹۴۷ء

سارے شہر میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ فوج گشت کر رہی ہے۔ اب اس کا مقصد امن قائم رکھنا ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اقلیتوں کے لئے لاہور جہنم بن چکا ہے۔ شہر میں جگہ جگہ گلیوں اور بازاروں میں لاشیں نظر آتی ہیں۔ کئی سرکاری دفتر بند ہو چکے ہیں۔ تار گھر بھی عملی طور پر بند ہیں کیونکہ سٹاف کے ممبر حاضر نہیں ہو سکتے۔ باہر سے گاڑیوں کے آنے کا سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے۔ پشاور سے فرنٹیئر میل وزیر آباد کے ریلوے سٹیشن پر روک لی گئی۔ فسادیوں نے مسافروں کو ننگا کر کے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد کوئی گاڑی

لاہور نہیں آئی۔ ڈوگرہ فوج آ گئی ہے اور جو لوگ پیچیدہ گلیوں میں اپنے مکانوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ آج ہم بھی ایک ٹرک پر فوجیوں کے ساتھ ٹبی، بزاز ہٹہ، بارودخانہ اور بادامی باغ کے علاقوں میں گئے اور کئی لوگوں کو ان کے مکانوں سے نکالا۔ فوج کے سامنے فسادی ٹھہر نہیں سکتے۔ لیکن اس کے جاتے ہی پھر حملے شروع ہو جاتے ہیں۔ کل رات سنگھ پورہ کی بستی پر ایک ہجوم نے حملہ کیا۔ لوگوں نے مقابلہ کیا۔ گوبند گڑھ میں بھی یہی حالت ہوئی۔ سڑکوں پر فوج کی امداد کے بغیر چلنا ممکن نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی پنجاب سے جو لوگ یہاں آ رہے ہیں وہ فساد کی آگ کو تیز کر رہے ہیں۔ چند دن ہوئے بھٹنڈہ کے نزدیک پاکستان کو جانے والی ایک سپیشل ٹرین پر کسی نے بم پھینکے تھے۔ ایک درجن کے قریب مسافر ہلاک ہو گئے۔ بدلہ لینے والوں نے بادامی باغ کے نزدیک ایک ٹرین پر اسی طرح حملے کئے۔ اور درجنوں اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امن قائم کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ دونوں طرف کی حکومتیں فسادیوں کو سختی سے کچل دیں۔ اس وقت تو یہ حالت ہے کہ لاہور کے حملوں کا جواب امرتسر دے رہا ہے اور جالندھر کے حملوں کا جواب لائلپور اور گوجرانوالہ دے رہا ہے۔

۱۹ اگست ۱۹۴۷ء

باؤنڈری کمیشن نے فیصلہ دے دیا۔ کلکتہ ہند میں اور لاہور پاکستان میں رہیگا گورداسپور کا ضلع دونوں صوبوں میں بانٹ دیا گیا۔ مطلب یہ کہ ہمیں ہر حالت میں پاکستان میں ہی رہنا پڑے گا۔ لاہور میں آج پھر خوشی کے مظاہرے ہوئے۔ مگر خوشیاں مناتے

والوں نے انہیں نہیں دیکھا جو خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ جن کی زندگی ہر لحظہ خطرے میں ہے۔ لالہ ارجن دیو اور پروفیسر برج نارائن کے بعد اب ایک اور بڑے آدمی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ لالہ ویربھان ڈائرکٹر انڈسٹریز کو چھرے کا شکار بنا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ سیکرٹریٹ میں داخل ہو رہے تھے کہ چھرے کا شکار بنا دیا گیا۔ چھرا بھونکنے والوں نے پولیس اور فوج کی موجودگی کے باوجود انہیں گھیر لیا اور چشم زدن میں انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حملہ آور شمشان بھومی پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکے۔ انہوں نے شمشان بھومی کے پنڈوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور جو لاشیں جل رہی تھیں انہیں بکھیر دیا اور پھر کس کی ہمت ہے کہ ارتھی کو لے کر شمشان بھومی میں پہنچے۔ شہر کی حالت نہ جانے کیا ہے۔ مگر کرشن نگر میں جو لوگ مر رہے ہیں ان کی ارتھیاں شمشان بھومی میں پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں۔ دیانند روڈ پر ایک شخص کی بیوی زچگی کے درد سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اس بیچارے کے پاس جلانے کے لئے لکڑی بھی نہ تھی۔ اپنی ہی میز کرسیوں کو توڑ کر سڑک پر ارتھی رکھ کر آگ لگا دی۔ نہ کوئی ڈاکٹر ہے نہ راشن والا اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جن کے پاس کھانے کی چیزوں کے ذخیرے ہیں وہ اس حالت میں بھی کسی کی امداد نہیں کرتے۔ میرے مکان کے سامنے ایک راشن کی دوکان والے کا مکان ہے۔ اس کے پاس اناج گھی اور دوسری چیزوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ مگر سنگدلی کی انتہا ہے کہ وہ کسی کو بھی چاول کا ایک دانہ دینے کو تیار نہیں۔ بلکہ وہ کوشش کر رہا ہے کہ کسی مسلم لیگی ایڈر کی امداد سے دوکان اور مکان فروخت کر دے۔ معلوم نہیں اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھ کر بھی لوگ انسانیت کے جذبے سے کیوں متاثر نہیں ہوتے۔

۲۰ / اگست سنہ ۱۹۴۷ء

لاہور میں عملی طور پر ایڈمنسٹریشن معطل ہو چکی ہے۔ فسادیوں کا راج ہی نظر آتا ہے۔ سارے شہر میں مار دھاڑ ہو رہی ہے۔ تمام اخبار پہلے ہی بند ہو چکے ہیں ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے تو کوئی جواب نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سننے والا ہی کوئی نہیں۔ کچھ اخبار نویس دوست، جان بچا کر شہر سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے ایک دوست نے ریلوے سٹیشن سے ٹیلیفون کیا۔ اس نے جو کچھ بتایا اس سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اخبار کا مالک آخری وقت تک یہی ظاہر کرتا رہا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اخبار باقاعدگی سے نکلے گا۔ مگر اس دوران میں اس نے اپنا تمام سامان اور بال بچوں کو دہلی میں بھیج دیا اور خود آج فرنٹیئر میل میں بیٹھ چکا تھا کہ دفتر میں کام کرنے والوں کو معلوم ہوا۔ انہیں اس احساس سے صدمہ پہنچا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے ایک پرائیویٹ لاری پر قبضہ کیا۔ جو دفتر کا دوسرا سامان لینے کے لئے آئی تھی۔ ڈرائیور کو مجبور کر کے یہ لوگ سٹیشن پر پہنچ گئے اور وہاں سے دہلی روانہ ہو گئے۔

لالہ راجن دیو بگائی ایڈووکیٹ ہلاک ہو گئے۔ ایک کالج کے پرنسپل کے ہلاک ہونے کی خبر بھی آئی ہے۔ ٹربیون کے دفتر پر ایک ہجوم نے حملہ کیا۔ اور پریس کے مینجر لالہ دنیا ساگر کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

کرشن نگر میں دو تین درجن سے زیادہ آدمی نہیں رہے۔ آج ہم سب اکٹھے ہوئے ابھی تک محفوظ ہیں۔ اس لئے کرشن نگر کی دہشت قائم ہے۔ شہر میں یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ یہ ایک مضبوط گڑھ ہے۔ لیکن کل کیا ہوگا۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ آج یہی تجویز ہوتی رہی۔ کہ ڈی اے وی کالج کے ہوسٹل میں پہنچ جائیں۔ کیونکہ سُنا ہے کہ ڈوگرہ فوج اپنے

ٹرکوں میں یہاں سے لوگوں کو امرتسر میں پہنچا رہی ہے۔ ایک صاحب مخالفت کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک عارضی دَور ہے۔ چند دن میں حالت بہتر ہو جائے گی۔ امن قائم ہو جائے گا۔ گھروں کو چھوڑنا خطرناک ہے۔ شاید واپس آنے پر تمام مکان لٹ چکے ہوں یا انہیں جلا دیا گیا ہو۔

لاہور کا ڈرامہ وزیر آباد میں بھی دُہرایا جا رہا ہے۔ خبر آئی ہے کہ ۱۲ اگست کو وزیر آباد میں حملے شروع ہوئے۔ ۱۵، ۱۶ کو سینکڑوں مکان جلا دیئے گئے۔ بلوچ رجمنٹ آ گئی مگر وہ اُلٹا فسادیوں کی مدد کر رہی ہے۔

امرتسر اور گرد و نواح کے علاقوں میں بھی یہی حالت ہے۔ بیل گاڑیوں مکانوں اور دوکانوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ دونوں طرف لڑکیوں کے اغوا کے واقعات ہو رہے ہیں۔

۲۱ اگست ۱۹۴۷ء

ہم لاہور چھوڑ رہے ہیں۔ کرشن نگر چھوڑ دیا ہے۔ معمولی سا سامان لے کر ڈی اے وی کالج کیمپ میں آ گئے۔ نہ معلوم اب ہماری منزل کیا ہو گی۔ جن بستیوں میں مسرت کی زندگی بسر کی تھی وہاں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ کرشن نگر چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ڈوگرہ فوج موجود تو ہے۔ لیکن اتنی بڑی بستی میں کب تک حفاظت کا انتظام کر سکتی ہے۔ آبادی بھی تو دھیرے دھیرے پھیل چکی ہے۔ ۲۰، ۳۰ آدمی کب تک اپنی حفاظت کر سکتے تھے اور ڈی اے وی کالج کیمپ بھی ایک عجیب بستی ہے۔ منٹ منٹ کے بعد لوگ ٹرکوں اور گاڑیوں پر بھاگ کر شہر کے مختلف حصوں سے آ رہے ہیں۔ ایک ہجوم لگا ہوا ہے۔ کئی زخمی ہیں۔ کئی ایک کے جسم آگ سے جھلسے ہوئے ہیں۔ بوڑھے جوان عورتیں

اور بچے ان کے چہرے اداس ہیں۔ کئی ایک اپنی بپتا سناتے ہوئے زار زار رونے لگ جاتے ہیں۔ ناز و نعمت میں پلے ہوئے ننگے فرش اور ننگی زمین پر راتیں کاٹ رہے ہیں اور پھر سنگدلی اور خود غرضی یہاں بھی اپنے جوبن پر ہے۔ رشوت چلتی ہے۔ پیسہ ہو تو ہر چیز مل سکتی ہے۔ جو خرچ کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں آکر بھی شہر سے اپنے مکانوں سے سامان نکلوا لیتے ہیں۔ جن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ قسمت کے رحم پر ہیں۔ کئی لوگ کل آئے اور آج امرتسر چلے گئے۔ دوسرے دس دس بارہ بارہ دن سے ٹرک کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیمپ سے باہر نکل کر دیکھا، سڑک پر بدستور بھیڑ ہے۔ بسیں۔ موٹر کاریں اور تانگے بدستور چل رہے ہیں مگر جانے پہچانے چہرے کہیں نظر نہیں آتے۔ مساوی سلوک اور شہریت کے حقوق ختم ہو گئے۔ یہ حقوق ان کے لئے ہیں جن کی آنکھوں میں انتقام کا خون ہے۔ ان کے لئے نہیں جو بدقسمتی سے ایک دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوستی۔ مروت۔ مخلصی اور ملنساری ختم ہو گئی۔ جن دوستوں کو ٹیلیفون کرتے ہیں وہ بھی جواب دینے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ بڑے لوگوں کے الفاظ میں نمائش کا رنگ تو ہے مگر عملی طور پر امداد کرنے کے لئے کوئی آمادہ نہیں۔ ایک یا دوسرے بہانے سے ٹال مٹول کر دیا جاتا ہے۔

گیارھواں باب

۲۲/اگست ۱۹۴۷ء

کیمپ میں بہت بُری حالت ہے۔ سینکڑوں لوگ روزانہ ٹرکوں پر بیٹھ کر امرتسر روانہ ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ سینکڑوں دوسرے لوگ آ جاتے ہیں۔ پژمُردہ چہرے، آنسو بھری آنکھیں۔ کئی لوگ تو کئی کئی دن سے بھوکے ہیں۔ آگ کے بھڑکتے شعلوں کے درمیان مکانوں میں بند ڈوگرہ فوج انہیں چھڑا کر لاتی ہے۔ کئی لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں ہیں۔ لاکھوں کے مالک آج دانے دانے کے لئے محتاج ہو گئے ہیں اور کیمپ میں جانوروں کی طرح ننگے فرش پر لیٹ کر تاریک بھری راتیں رو رو کر گزار رہے ہیں۔

اس لڑکی کا نام شیلا ہے۔ اس کے ماں باپ ہلاک ہو گئے ہیں۔ اب اس دُنیا میں اس کا کوئی سہارا نہیں۔ کہاں جائے گی اور کیا کرے گی کچھ نہیں جانتی۔ رو رو کر بُرا حال

کر رہی ہے۔ کیمپ والے امرتسر پہنچا دیں گے مگر اس کے بعد؟ ——— تاریکی وحشت اور مایوسی سوچتا ہوں کہ اگر کسی کے ہاتھ چڑھ گئی تو اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

یہ ایک بوڑھا ہے شاہی محلہ میں رہتا تھا۔ دو نوجوان لڑکے تھے اور ایک بہو۔ آگ لگی تو تینوں جل گئے ایک ڈوگرہ سپاہی نے اسے بچانے کی کوشش کی تو کہنے لگا ——— مجھے نہ بچاؤ جل جانے دو۔ زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ کیمپ میں لایا گیا ہے مگر اب کہاں جائے گا نہ کوئی رشتہ دار نہ ہمدرد۔ بیٹے مر گئے۔ مکان جل گیا۔ آنکھوں سے بہت کم دکھائی دیتا ہے لاٹھی کے بغیر چل نہیں سکتا۔

اس عورت کی داستان بے حد دردناک ہے۔ خاوند مر گیا۔ دو لڑکے تھے چھرے کا شکار ہو گئے۔ پڑوسی نے ہی حملہ کیا تھا ایک لڑکی تھی اُسے بھگا لے گئے۔ اب ماں رو رہی ہے۔ لڑکی کو چھڑانے کے لئے کبھی ایک کے سامنے گڑگڑاتی ہے کبھی دوسرے کے سامنے مگر کس کو فرصت ہے کس کی ہمت ہے کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کی مدد کرے۔

سوچتا ہوں کہ اس کی مدد کیوں کر کروں؟ جی چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے کیمپ سے نکل جاؤں اور اس لڑکی کو چھڑانے کی کوشش کروں مگر ——— مگر کون مدد دیگا؟ کس طرح شہر میں جا سکوں گا؟

اور شہر ابھی تک جل رہا ہے آج ایک صاحب سٹیٹ مین کا پرچہ کہیں سے لے آئے تھے اس میں لکھا تھا کہ لاہور میں دوبارہ چہل پہل شروع ہو گئی ہے۔ دوکانیں دوبارہ کھل رہی ہیں اور اخبار بھی دوبارہ شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں مگر ہمیں تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی۔ ابھی تک آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں ابھی تک گولیاں چلنے کی آواز بھی

آ رہی ہے۔

سنا ہے کہ پنڈت جواہر لال اور مسٹر لیاقت علی میں آبادیوں کے تبادلہ کے لئے بات چیت ہو رہی ہے معلوم نہیں درست ہے یا غلط۔ یہ بھی سنا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کو دوبارہ لاہور میں لبانے اور ان کی حفاظت کے لئے انتظام کیا جا رہا ہے اور اس مقصد کے لئے سردار سمپورن سنگھ ڈپٹی ہائی کمشنر مقرر ہو کر آ رہے ہیں شاید کوئی صورت نکل آئے لیکن اگر سرکاری طور پر آبادیوں کا تبادلہ شروع بھی ہو گیا تو کون کسی کی حفاظت کرے گا۔

۲۳ اگست ۱۹۴۷ء

کیمپ سے کرشن نگر اور رام نگر جانے آنے کا راستہ ابھی تک کھلا ہوا ہے اس لئے آج حوصلہ کر کے باہر نکل ہی گیا اور چکر کاٹ کر موہن لال روڈ کے راستے شہر میں داخل ہو ہی گیا۔ خوف سے کانپ رہا تھا۔ کئی بار ارادہ کیا کہ واپس جاؤں مگر حوصلہ کر کے آگے نکل ہی گیا۔ موہن لال روڈ پر کئی دوکانیں جلی ہوئی تھیں۔ دو تین دوکانیں کھلی تھیں مگر ان پر ہندوؤں کی بجائے مسلمان بیٹھے ہوئے تھے غالباً انہوں نے تالے توڑ کر قبضہ کر لیا ہے۔ موری گیٹ کے باہر ایس۔ پی ایس کے ہال کی دیوار کے ساتھ دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں ایک بوڑھا تھا اور ایک بچہ۔ لوگ دیکھے بغیر گزرتے چلے جا رہے تھے۔ لوہاری گیٹ کی پولیس چوکی کے باہر بھی ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور اسے مٹی کے تیل سے جلانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

انارکلی کھل رہی ہے مگر دوکانوں پر نئے دوکاندار دکھائی دے رہے ہیں۔ جیتی

ختم ہوگئی ہے۔ کئی دوکانوں کے سامنے چھکڑے اور ٹرک کھڑے ہیں۔ اور کچھ لوگ مال نکال نکال کر لاد رہے ہیں۔ ان میں ایک پٹھان بھی تھا۔ شاید لوٹ کے لئے سرحد سے آیا ہو۔ تانگے چلنے شروع ہو گئے ہیں۔ پولیس اور فوج بھی چکر کاٹ رہی ہے مگر اب کسی کی حفاظت کا سوال ہی نہیں رہا۔ جن کی حفاظت کرنی تھی وہ ختم ہو گئے یا بھگا دیئے گئے۔

سیتلا مندر جل چکا ہے باہر کا پختہ دروازہ سلامت ہے مگر اندر کچھ بھی نہیں رہا۔ بائیں ہاتھ پر کتنے ہی دو منزلہ مکان جل چکے ہیں اور لوٹنے والے ان میں داخل ہو کر جو جی چاہتا ہے اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔

ایک ٹرک شاہ عالمی کے اندر سے بہت سے لوگوں کو لے کر باہر آ رہا تھا کہ کچھ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ٹرک کی حفاظت کرنے والوں نے اپنی سنگینیں دکھائیں۔ تو یہ لوگ بھاگ نکلے۔ شاہ عالمی کے باہر بڑا مندر جل گیا ہے ملبہ سا پڑا ہے ——— اور سیڑھیوں کے اوپر ایک کمرہ سا رہ گیا ہے۔ جیسے کسی گداگر نے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ گیٹ تک کے مکان جو گزشتہ ماہ کی آتشزدگی سے بچ گئے تھے جلا کر گرا دیئے گئے ہیں۔

تانگہ لے کر سیدھا مقبول صاحب کے مکان پر گیا۔ تانگہ والا کوئی بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے اس نے مجھے مسلمان ہی سمجھا۔ میں نے پوچھا تمہارے کام کاج کا کیا حال ہے؟

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ پورے ایک مہینے کے بعد کام پر آیا ہوں۔ فاقہ کشی سے تنگ آگیا ہوں۔

"تو تمہیں کچھ نہیں ملا لوٹ سے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"لعنت بھیجتا ہوں لوٹ مار کرنے والے پر۔" تانگہ والے نے میری طرف مڑ کر

دیکھتے ہوئے کہا۔" دوسروں کی مصیبت سے فائدہ اٹھانا بھی انسانیت ہے کیا؟"

میں اس کے اس جواب سے دنگ رہ گیا۔ تانگہ چل رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ مکانوں میں داخل ہو کر لوٹ رہے تھے۔ کوئی ریڈیو سیٹ اور کوئی سلائی کی مشین سر پر اٹھا کر غائب ہو رہا تھا۔ ایک بوڑھیا ایک مکان سے ایک بڑا قالین گھسیٹ کر لے جا رہی تھی۔ ایک بچہ شیشے کے دو تین گلاس اٹھائے ہوئے مکان سے نکل کر بھاگ رہا تھا۔

تانگہ والے نے کہا ـــــ صاحب لٹیرے بھی کبھی کسی کے دوست ہو سکتے ہیں جو لوگ پشتوں سے ہمارے پڑوسی ہیں انہیں لوٹنا کہاں کی انسانیت ہے۔

اور پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ میرے پڑوس کے ایک ہندو کا سارا خاندان ہلاک ہو گیا۔ ایک لڑکی تھی وہ چھلانگ لگا کر میرے مکان میں آگئی بیچاری رو رو کر برا حال کر رہی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کروں؟

میرے دل میں آیا کہ میں اسے بتا دوں کہ میں ہندو ہوں اور ہم اس لڑکی کو کیمپ میں لے جا سکتے ہیں مگر جرأت نہ کر سکا۔

تانگہ چل رہا تھا اور میرے دل میں طوفان اٹھ رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اسے کیمپ میں کیوں نہیں پہنچا دیتے؟"

"کیمپ؟" تانگہ والے نے کہا" لیکن وہاں اس کی کون مدد کرے گا؟"

اور پھر اس نے کہا۔ کیا وہاں حکومت کی طرف سے یتیم بچوں کی امداد کا انتظام ہے"

"ہاں" میں نے جواب دیا" کیمپ میں ہر ایک چیز کا بندوبست ہے۔"

تانگہ چل رہا تھا اور ہم شاہ عالمی کے اندر جا رہے تھے۔ تانگے والے نے پوچھا

آپ کہاں جانا چاہتے ہیں"؟

میں اپنے خیالات میں محو تھا۔ میں نے چونک کر کہا۔ کیا؟

اس نے اپنا سوال دہرایا۔

میں نے کہا "دہلی دروازے کی طرف! وہاں ہی مجھے جانا ہے"۔

"اچھا" کہتے ہوئے تانگہ والے نے گھوڑے کو چابک لگائی۔

لوٹ مار جاری تھی۔ لوگ لوٹ کا سامان اٹھائے گھروں سے باہر نکل رہے تھے۔ دوکانوں کے تالے ٹوٹ رہے تھے۔ چند ایک جانی پہچانی دوکانوں پر مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔

تانگہ والے نے کہا "زمانے کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ لوگ ہندوؤں کے مکانوں میں داخل ہوتے ہیں سامان اکٹھا کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ یہ مکان پسند نہیں سامان چھکڑوں پر لدوا کر چلے جاتے ہیں۔

"احسان" کے دفتر کے نزدیک تانگے کو ٹھہرا کر میں دفتر کے اندر چلا گیا۔ مقبول صاحب نے دیکھا تو حیرانی سے چونک پڑے۔

"کیوں جان کو ہتھیلی پر رکھے پھر رہے ہو؟" انہوں نے اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے کہا۔

میں نے انہیں سارا واقعہ بتایا اور انسانیت کے نام پر التجا کی کہ وہ شاہ محلہ سے اس لڑکی کو چھڑانے کا انتظام کریں۔

مقبول صاحب پہلے تو تذبذب میں پڑ گئے اس کے بعد انہوں نے کہا "کام تو مشکل ہے مگر خیر انتظام کرتا ہوں"۔

انہوں نے چائے کا انتظام کیا۔ فارغ ہونے کے بعد ایک خوشنویس سے ترکی ٹوپی لے کر مجھے دیتے ہوئے کہا "اسے پہن لو کوئی شک نہیں کرے گا۔"

اور پھر سیڑھیوں سے اُتر کر تانگہ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا "چلو! ایک دفعہ تم نے میری مدد کی تھی۔ اس کا بدلہ دینے کا سوال تو نہیں۔ البتہ انسانیت کے ناطے کچھ نہ کچھ مجھے بھی کرنا چاہیئے۔"

تانگہ والے نے شاید بات سُن لی تھی۔ اس نے کہا "اس لڑکی کی بابت آپ نے کیا سوچا؟"

میں نے مقبول صاحب کو سارا قصہ سنایا انہوں نے کہا۔ اس لڑکی کو بھی کیمپ میں پہنچانا چاہیئے لیکن اس سے پہلے شاہی محلے میں جانا ضروری ہے۔ اگر وہ لڑکی کسی دوسرے کے ہاتھ لگ گئی تو پھر اس کی امداد کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ زمانہ بہت خراب ہے۔

لڑکی پولیس کی امداد سے رہا ہوئی۔ مقبول صاحب کا ایک دوست پولیس افسر تھا۔ اس نے امداد کی جب اسے باہر نکالا تو سینکڑوں لوگ جمع ہو گئے اور مرنے مارنے پر تل گئے۔ مگر پولیس افسر کے ریوالور کی نمائش نے سب کو خاموش کر دیا۔

لڑکی کا نام تھا شکنتلا۔ اور وہ بہت بھولی بھالی لڑکی تھی۔ اس نے بتایا کہ اسے نکاح کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ پہلے تو اس نے مزاحمت کی لیکن بعد میں چاروں طرف سے مایوس ہو کر خاموش ہو گئی۔ اگر آج اسے چھڑایا نہ جاتا تو کل اس کا نکاح ہو جانا تھا۔

تانگے والے کے گھر پہنچے۔ اور شاردا سے ملاقات کی۔ وہ لپٹ کر رونے لگی۔ اس نے بتایا کہ تانگہ والا حمید اور اس کی بیوی نے اسے اپنی لڑکی کی طرح رکھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا بنانے کی اجازت تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ ان سے بچھڑتے

ہوئے اسے یاد آ رہی تھی اپنے ماں باپ کی۔ بار بار پوچھتی تھی کہ کیا ان کے قاتلوں کو سزا دی جائے گی اور کیا کیمپ میں اس کی دیکھ بھال کا انتظام ہوگا۔

تانگے والے کو معلوم ہو گیا کہ میں ہندو ہوں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ کہنے لگا۔ یہ میری بچی ہے۔ اگر ہندو اور مسلمان کا سوال نہ ہوتا تو میں اسے کسی کے حوالے نہ کرتا۔ آپ اسے لے جائیں مگر کبھی کبھی مجھ سے ملاتے رہنا۔ اگر ہندوستان جائیں تو بھی مجھے فراموش نہ کر دینا۔

میری آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔ تانگے والے کی بیوی نے ایک انگوٹھی اُتار کر لڑکی کو پہنا دی۔ کہنے لگی۔ ہم غریب ہیں اسے نشانی کے طور پر اپنے پاس رکھنا۔ اور جب ہم تانگے والے کے مکان سے باہر نکلے۔ سڑک پر لوٹ مار ہو رہی تھی۔ تالے توڑے جا رہے تھے اور لوٹ کے مال سے لدے ہوئے چھکڑے چلے جا رہے تھے۔

میں نے سوچا۔ کتنا خوف ہے انسانوں میں۔ کتنے ہی انسان پاگل ہو گئے ہیں۔ اس پاگل پن میں انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ انسانیت ختم ہو گئی ہے مگر اس پاگل پن میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جن کے دل میں پڑوسیوں اور مظلوموں کے لئے ہمدردی کا جذبہ ہے۔

بارھواں باب

تانگے والا کیمپ تک شاردا کو چھوڑنے آیا۔ مقبول صاحب بھی آئے۔ کیمپ میں کسی مسلمان کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس لئے دونوں لوئر مال روڈ کے موڑ پر ہی رُک گئے۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہیں موڑ پر دو ہندو لڑکیوں کے ساتھ اُترتے دیکھ کر کچھ مسلمان جمع ہونے لگے تھے۔ اس لئے ہم جلد ہی کیمپ میں داخل ہو گئے۔

ادھر روز کیمپ میں! ——— دُکھی انسانوں کا ایک ایک سیلاب بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہر ایک پریشان تھا۔

شاہ عالمی کا ایک نوجوان لڑکا رو رہا تھا۔ اس کا باپ ایک مشہور بیوپاری تھا جب شاہ عالمی جل رہا تھا۔ اس نے کسی کی امداد نہیں کی تھی۔ ہندو نوجوان

مالی امداد کے لئے جاتے تو صاف انکار کر دیتا کیونکہ اسے پولیس کی امداد پر بھروسہ تھا۔ جب شاہ عالمی خالی ہونے لگا۔ تو اُس نے نوٹوں کے ہار بنا کر اپنے جسم کے ارد گرد لپیٹ لئے اور وہ نرسنگ میں چلا گیا۔ وہاں فسادیوں نے آگ لگا دی اور وہ نوٹوں سمیت جل کر مر گیا۔ صرف یہ لڑکا اور ایک لڑکی زندہ بچے۔ اب لڑکی کے جسم کے چند زیورات کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ نرسنگ کے علاوہ شاہ عالمی کا مکان بھی جل گیا ہے۔

۲۴ر اگست ۱۹۴۷ء

کئی دن کے بعد آج اخبار دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ لاہور سے ایک ہی ہندو اخبار شائع ہو رہا ہے اور وہ بھی ضمیمہ کی شکل میں۔ دوسرے اخبار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اشتعال انگیزی کر رہے ہیں۔ "زمیندار" ان سب سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے ایک نظم شائع کی ہے اس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

کوئی سکھ رہنے نہ پائے اپنے پاکستان میں

انہی نظموں اور مکالموں کی وجہ سے "زمیندار" خوب بک رہا ہے۔ اخباروں کی اسی جنگِ زرگری نے تو ملک کو تباہ کیا ہے۔ "زمیندار" اشتعال انگیزی کی وجہ سے بکتا ہے تو دوسرے اخبار کیوں پیچھے رہیں۔

کراچی سے خبر آئی ہے کہ کوئٹہ اور سکھر میں بھی فساد ہو گیا ہے۔ سندھ اب تک محفوظ تھا کیونکہ سندھ میں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے جو لوگ آئے ہیں۔ وہ بھڑکے ہوئے ہیں اور اپنی مصیبتوں کا بدلہ دوسروں سے لینا چاہتے ہیں۔

جو حالت یہاں ہے۔ وہی مشرقی پنجاب میں بھی ہے۔ لاہور کی آگ ایک طرف شیخوپورہ اور قصور میں پھیل گئی ہے تو دوسری طرف امرتسر اور فیروزپور میں بھی۔ لاہور اور فیروزپور کے درمیان لمبئی ایکسپریس پر حملہ ہوا ہے اور قصور میں لاہور کی طرح لوٹ مار ہو رہی ہے۔ ایک ٹرین پر بھٹنڈہ کے نزدیک حملہ ہوا ہے تو دوسری ٹرین پر لالہ موسے میں۔ لاہور سے ملٹری ٹرکوں کے علاوہ ہوائی جہازوں پر بھی لوگ دھڑا دھڑ دہلی جا رہے ہیں مگر افسوس کہ انسان کی سنگدلی یہاں بھی مظلومیت کا مذاق اُڑا رہی ہے۔ ہوائی جہاز میں سیٹیں حاصل کرنے کے لئے "بلیک مارکیٹ" چل رہی ہے۔ عام کرایہ ۶۰ روپے ہے لیکن دینے والے دو دو سو روپیہ ادا کر رہے ہیں۔ کہاں ہے ہندو دھرم اور کہاں ہے انسانیت۔ انسانی خون پانی کی طرح ارزاں ہو رہا ہے اور اس کے باوجود ذاتی اغراض کام کر رہی ہیں۔ سرمایہ داری اور لالچ کام کر رہے ہیں۔

آج راجا غضنفر علی خاں کیمپ میں آئے تھے۔ دو تین سال کی بات ہے سرگودھا میں ایک میٹنگ میں تقریر کر کے لاہور آ رہے تھے۔ اتفاق سے بس میں ملاقات ہو گئی تھی۔ اسی ملاقات کی یاد دلائی اور ان کی توجہ بڑھتی ہوئی لاقانونی کی طرف مبذول کی۔ راجا صاحب جہلم کے دورے سے واپس آئے ہیں کیمپ میں آئے تھے یہ کہنے کے لئے کہ اگر لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں تو حکومت ان کی حفاظت کرے گی۔

میں نے پرائیویٹ ملاقات کی تو کہنے لگے "موجودہ حالات میں آبادیوں کے تبادلہ کے سوا کوئی حل نہیں۔" مجھے دوستانہ مشورہ دینے لگے کہ مجھے لاہور یا راولپنڈی کا خیال ترک کر کے دہلی چلا جانا چاہیے کیونکہ اتنی جلدی امن و امان قائم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

ان کی اس دورنگی پر مجھے ہنسی آگئی اور افسوس بھی ہوا اگر اقلیتوں کا مسئلہ آبادیوں کے تبادلے سے ہی حل ہو سکتا ہے تو اقلیتوں کو حفاظت کی گارنٹی دینے کا اعلان مکر اور فریب نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک صاحب مال روڈ سے ہو کر آئے تھے کہنے لگے کہ قیمتی مال سے بھری ہوئی دوکانیں کوڑیوں کے مول بک رہی ہیں۔ ایک بہت بڑا ہوٹل ۶۰ روپے میں حکومت نے نیلام کر دیا ہے۔ انارکلی کی دوکانوں کے تالے ٹوٹ رہے ہیں جو شخص پولیس سے مل کر تالا توڑ دیتا ہے۔ بس وہی دوکان کا مالک بن جاتا ہے۔

سرحد میں گورنر کے حکم سے ڈاکٹر خانصاحب کی وزارت برطرف کر دی گئی ہے اور مسٹر عبدالقیوم خاں کو نئی وزارت قائم کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ گورنر کو مسٹر جناح نے وزارت کی برطرفی کا حکم دیا تھا۔ مجھے اس خبر سے کوئی حیرانی نہیں ہوئی آخر مسٹر جناح کب تک ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت برداشت کر سکتے تھے۔ مجھے یاد آیا ایک چشم دید واقعہ۔ شملہ کانفرنس میں مسٹر جناح نے اس بات پر اصرار کیا کہ مسلمانوں کا واحد نمائندہ میں ہوں تو ڈاکٹر خان صاحب نے اٹھ کر کہا تھا کہ یہ غلط ہے صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی اکثریت میرے ساتھ ہے۔ مسٹر جناح اس پر بہت برافروختہ ہوئے تھے۔ آج وہ پاکستان کے گورنر جنرل ہیں اس لئے وہ کیوں انتقام نہ لیں۔

اب کیا ہو گا؟ —— توقع کرنی چاہیئے کہ ڈاکٹر خان صاحب اپوزیشن قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور نظر بند کر دیئے جائیں گے مسٹر جناح ضدی اور ڈکٹیٹرانہ طبیعت کے مالک ہیں اس لئے اپوزیشن برداشت نہیں کر سکیں گے۔

دہلی سے خبر آئی ہے کہ سردار اودھم سنگھ دوگل نے سکھوں کی ایک نئی پارٹی

قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ سردار اوتم سنگھ راولپنڈی کے رہنے والے ہیں۔ راولپنڈی میں ان کی لاکھوں کی جائداد ہے۔ اس لئے اگر وہ موجودہ حالات میں بھی پاکستان میں ہی رہنے کی تحریک اٹھائیں تو تعجب نہیں سردار صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"پاکستان سے سارے ہندوؤں اور سکھوں کو نکال لینے کا خیال قابل عمل نہیں۔ مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کے لئے ہندوستان میں کوئی اچھا مستقبل نہیں۔ مشرقی پنجاب کے لیڈروں کو ہمارے مسائل میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔"

اصولی طور پر یہ دلیل درست ہے۔ آبادیوں کا تبادلہ بچوں کا کھیل نہیں اور پھر کون شخص اپنے گھر بار چھوڑنا پسند کرتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں کہ سردار اوتم سنگھ دوگل اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں کیونکہ دونوں طرف کی اکثریتوں پر حکومتوں کا کنٹرول نہیں۔ جب تک فساد ہوتے رہیں گے مشرقی اور مغربی پنجاب میں اقلیتوں کا مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا بے چارے سردار اوتم سنگھ کی طوطی کی آواز اس نقار خانے میں کون سنتا ہے۔

۲۵ اگست ۱۹۴۷ء

آج لاہور میں نسبتاً امن ہے مگر کیمپ میں آنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ قاتلانہ حملوں اور آتشزنی کی وارداتوں میں ذرا سی کمی ہوتے ہی لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ مکانوں سے باہر نکلیں اور کیمپ میں پہنچ جائیں اور پھر اطمینان سے رہ سکیں۔

کیمپ میں آج یہ افواہ گرم تھی کہ سردار سردول سنگھ کویشر کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ دوسری طرف یہاں کے اخباروں نے عجیب و غریب خبریں شائع کی ہیں۔

مثال کے طور پر :-

(۱) ڈوگرہ فوج نے بھاٹی گیٹ کو بارود سے اڑانے کے لئے ٹینک حاصل کر لئے۔

(۲) جواہر لال نے ہندوستان کی وزارت سے استعفٰے دے دیا۔

(۳) امرتسر سے دہلی تک مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ مہاراجہ پٹیالہ خود فوجی دستوں کے ہمراہ مسلم محلوں میں جا جا کر موت کے گھاٹ اُتار رہے ہیں۔

صحیح حالات کا کچھ علم نہیں۔ صحیح خبریں حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں رہا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے دونوں حصوں میں عملی طور پر ایڈمنسٹریشن ٹوٹ چکی ہے۔ راولپنڈی میں قتل عام ہو رہے ہیں۔ گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں بھی تباہی مچی ہوئی ہے۔ شیخوپورہ میں بظاہر امن ہے لیکن معلوم نہیں کس وقت تباہی مچ جائے۔ ایک صاحب شیخوپورہ سے اسلامی لباس میں بھاگ کر آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہاں کا اینگلو انڈین ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ فسادات کے لئے لوگوں کو انگیخت کر رہا ہے۔ یہی حالت جالندھر اور موگہ میں بھی ہے۔

ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے متعلق سُنا ہے کہ وہ خود ریوالور لے کر دوسرے فرقہ کے لوگوں کو گولیوں سے اڑاتا ہے۔ ریلوے سٹیشن کے نزدیک گڑھے کھدے ہوئے ہیں۔ ان میں لاشیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور شام کو پٹرول ڈال کر آگ لگا دی جاتی ہے۔ انسانی خون کی اس قدر ارزانی۔ میں سوچتا ہوں کہ خدا اندھا ہو گیا ہے یا وہ اتنا سنگدل ہو گیا ہے کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس کا دل نہیں پسیجتا۔

کیمپ میں مجھے ایک ساتھی مل گیا ہے۔ ڈائری کے لئے میں نے اس کا نام

"سریش" رکھا ہے۔ وہ شاعر اور افسانہ نویس بھی ہے اور اکثر پریشان رہتا ہے۔ کل مجھے اس نے اپنی رام کہانی سنائی۔

وہ لاہور کا ہی رہنے والا ہے۔ رشتہ کی ایک لڑکی سے اس کی محبت ہو گئی تھی۔ محبت اور جنون نے اس کو پاگل سا بنا دیا تھا۔ کچھ دن تک تو لڑکی بھی اس پر جان دیتی رہی ایک دن گھر کے کسی بزرگ کو معلوم ہو گیا۔ اس نے معمولی سا اشارہ کیا اور لڑکی بگڑ گئی۔ سریش دیوانہ سا ہو گیا۔ فسادات شروع ہونے سے پہلے اسے معلوم تھا کہ "نرملا" بھارت نگر میں ہے وہ خود رام نگر میں رہتا تھا اس سے ایک دو بار ملاقات بھی ہوئی۔ آخری ملاقات میں ماحول کی پریشانیوں نے "نرملا" کا دل موم کر دیا لیکن فسادات کی شدت نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ اب سریش پریشان ہے کہ کیا کرے اسے معلوم نہیں کہ نرملا اور اس کے ماتا پتا کہاں ہیں۔ اسے کبھی کبھی بھیانک سپنے آتے ہیں اور وہ چونک اٹھتا ہے۔

اس کی امداد کرنا چاہتا ہوں لیکن کیمپ سے نکل کر بھارت نگر پہنچنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر بھارت نگر پہنچ جاؤں تو بھی نرملا کا پتہ لگانا اور اس کو کیمپ میں لانا آسان کام نہیں۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ جب سے شاردا اور شکنتلا کو پھر ملا کر لایا ہوں سریش کا تقاضا بڑھتا جا رہا ہے۔ سوچتا ہوں کہ کل پھر کسی طرح کیمپ سے نکلوں اور بھارت نگر پہنچنے کی کوشش کروں۔ ـــــــ کیا کروں؟

۲۶ اگست ۱۹۴۷ء

کل رات تو کھانا ہی نہیں ملا۔ اتنے نئے لوگ آ گئے تھے کہ انہیں کھانا مہیا کرنے

کے بعد کچھ بچا ہی نہیں اور پھر مجھے اپنا خیال ہی نہیں رہا۔ رات کو سر جھکانے لگا تو غور و فکر سے کام لیا۔ یاد آئی کہ پریشانی کی وجہ فاقہ کشی تھی۔

بھائی آج ہی دہلی سے آیا ہے۔ مکان پر گیا تھا تالا لگا ہوا تھا مگر ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ اس لئے تلاش کرتا ہوا کیمپ آپہنچا۔ میں تو دیکھ کر حیران رہ گیا ——— میں نے کہا۔

تم کہاں ——— اپنی جان خطرے میں ڈال کر دہلی سے کیوں آگئے۔

اس کا جواب معقول تھا۔ میں یہاں پر اکیلا کیمپ میں بیٹھا ہوا ہوں اور بال بچے پریشان ہیں۔ انہیں تو میرے زندہ ہونے کے متعلق بھی کچھ علم نہیں۔ بھائی سے یہ پریشانی برداشت نہ ہو سکی اور وہ یک لخت ٹرین پر سوار ہو کر لاہور آگیا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ آخر بھائی بھائی ہے۔ اس نے میرے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی اور میں کیمپ میں آکر بال بچوں تک کا خیال بھول گیا۔

"سرکیشن" نظر آیا تو پھر خیالات نے پلٹا کھایا۔ بھائی کو زبردستی ٹرک پر سوار کر کے امرتسر بھیج دیا ہے اس کا فوراً واپس جانا ہی ضروری تھا اب میں کچھ دن اور یہاں رہ سکوں گا۔

ڈوگرہ افسر ہمت سنگھ واقعی بہت دلیر افسر ہے اس سے سرکیش کا قصہ بیان کیا تو وہ کچھ دیر تو خاموش رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا ——— کوشش کروں گا شاید کامیاب ہو جاؤں۔

میں نے کہا ——— دو جانوں کا سوال ہے اور پھر انسانیت کا کام بھی۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔

سردار بلدیو سنگھ بال بال بچے ہیں۔ کچھ فوجی افسروں کے ہمراہ سرحد کا دورہ کر

رہے تھے کہ ابھی ہی اڈیشنل پولیس نے انہیں فسادی سمجھ کر گولی چلا دی اور سردار بلدیو سنگھ نے زمین پر لیٹ کر اپنی جان بچائی۔

۲۷ اگست ۱۹۴۷ء

لاہور میں پھر حالت خراب ہو گئی ہے۔ شاہی محلہ میں ابھی کچھ لوگ رہ گئے ہیں شاید امداد کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مکانوں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اور باہر نکلے تھے کہ حملہ ہو گیا معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلا مگر کرفیو لگ گیا ہے۔

صوبہ کے جنوب مغربی حصوں میں بھی فساد ہو رہا ہے منٹگمری، چیچہ وطنی، پتوکی، سیالکوٹ گجرات۔ لاڈہو سے (؟)۔ جلالپور جٹاں اور دوسرے مقامات میں بھی تباہی مچی ہوئی ہے۔ بادامی باغ کے سٹیشن پر ایک گاڑی روک کر فسادیوں نے حملہ کیا اور کتنے ہی مسافروں کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔

مشرقی پنجاب میں بھی گاڑیوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ بادامی باغ کی طرح فرید کوٹ میں ایک ہجوم نے گاڑی روک لی اور کتنے ہی مسافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خدا کی شان ہے کہ اب اس کی مسجدوں میں گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ اور مندروں اور گوردواروں میں اذانیں دی جا رہی ہیں۔ لاہور میں ایک مندر پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر خاموش ہے اور خدا کے پرستار اس خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ دوسرے مذہب کے خدا اور اس کے پرستاروں کی کھلے بندوں توہین کر رہے ہیں۔

ہمت سنگھ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کل ٹرک لے کر بھارت نگر چلے گا اور بملا کا

پتہ لگانے کی کوشش کرے گا اور سریش نرملا کے گیت لکھنے میں مصروف ہے۔

دہلی، لکھنؤ اور سہارن پور سے مسلمان بیوپاری آرہے ہیں۔ آج ان میں سے چند ایک نے کیمپ میں ٹھہرے ہوئے کچھ ہندو سکھ بیوپاریوں سے بات چیت کی معلوم ہوا ہے کہ ان میں کاروبار کے تبادلہ کے لئے بات چیت ہو رہی ہے۔

آج دہلی ریڈیو کہہ رہا تھا کہ سبزی منڈی میں کچھ جھگڑا ہوا اور اسی وقت کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

کہیں دہلی میں بھی تو لاہور کی آگ کے شعلے نہیں پہنچ گئے۔

سُنا ہے کہ مسٹر جناح لاہور آرہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ ایک بار مل کر اس عجیب و غریب انسان کی دماغی کیفیت کا جائزہ تو لوں جس نے لاکھوں انسانوں کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

تیرھواں باب

۲۹ر اگست ۱۹۴۷ء

ہمت سنگھ نے آج بھارت نگر میں لے جانے کا وعدہ کیا تھا لیکن آج تو شہر کی حالت اور بھی نازک ہو گئی ہے اور مختلف حصوں سے لوگ دھڑا دھڑ کیمپ میں داخل ہو رہے ہیں۔

بھیرہ سے ایک نوجوان پنڈت جگ بسایا شرما مسلمان کے بھیس میں یہاں آیا اس نے بتایا کہ بھیرہ گجرات جلالپور جٹاں اور لالہ موسلے کے علاقوں میں گاؤں کے گاؤں تباہ ہو گئے ہیں۔ جلو سے ڈاکٹر جگدیش چندر بڑی مشکل سے جان بچا کر آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جلو میں اقلیتوں کا پورے طور پر صفایا کر دیا گیا ہے۔

سیالکوٹ سے ایک فوجی دستے کی نگرانی میں لاریوں پر ایک قافلہ لاہور آ رہا تھا

اسے راوی کے پل پر روک لیا گیا اور مسافروں کو اتار اتار کر گولیوں اور چھروں کا شکار بنایا گیا۔

آج بابو سری پرکاش اور نواب ممدوٹ کیمپ میں آئے تھے۔ لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور رونے چلانے لگ گئے۔ نواب ممدوٹ کہہ رہے تھے کہ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں جلد ہی امن قائم ہو جائے گا۔ بابو سری پرکاش کہہ رہے تھے کہ ہمارے لئے جہاز اور گاڑیاں آرہی ہیں جو ہمیں امرتسر لے جائیں گی۔ آخری بات ہی سچی معلوم ہوتی ہے۔ دوبارہ بسنے کا تو کوئی امکان ہی نظر نہیں آتا لاہور میں ہر جگہ مکانوں پر زبردستی قبضے ہو رہے ہیں انہیں کون بے دخل کرے گا۔

۳۰/ اگست ۱۹۴۷ء

لالہ برج لال آج کہہ رہے تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو، سردار بلدیو سنگھ، لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر جناح اور مسٹر لیاقت علی لاہور پہنچ گئے ہیں اور ان میں کوئی کانفرنس ہو رہی ہے۔ لالہ برج لال کو یقین ہے کہ اب جلد ہی امن قائم ہو جائے گا اور آبادیوں کا تبادلہ رک جائیگا خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن نہ معلوم مجھے کیوں یقین نہیں آتا کہ خدا ایسا کرنا نہیں چاہتا اور اگر چاہتا تو اتنا سنگدل کیوں ہو گیا ہے کیوں جگہ جگہ لڑائی ہو رہی ہے۔ پہلے تو آبادیوں میں حملے ہوتے تھے اب ریل گاڑیوں اور ٹرکوں پر بھی حملے ہو رہے ہیں۔ کسی شخص کی زندگی محفوظ نہیں ہے۔

راوی روڈ سے کچھ لوگ جان بچا کر آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ پولیس کی حفاظت میں گھروں سے باہر نکلے مگر ابھی چند سو گز ہی چلے تھے کہ ان پر حملہ کر دیا گیا۔ پولیس موجود تھی مگر دیکھتی رہی معلوم نہیں کتنے آدمی مرے اور زخمی ہوئے۔ ایک فوجی

لاری شاہدرہ کی طرف سے آئی اور اس نے انہیں بچایا۔ ہلاک ہوئے لوگوں میں دیوان کیدار ناتھ بھی تھے۔

زخمیوں کو آج فوجی ٹرکوں پر امرتسر پہنچا دیا گیا ہے مگر ابھی بہت سے زخمی کیمپ میں بھی ہیں۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ راوی روڈ کی ایک عورت کی دو نوجوان لڑکیاں حملہ آوروں نے اُٹھا لیں اور ایک بوڑھے کی بوڑھی بیوی کو اس کے سامنے ہلاک کر دیا ہے اب اس بوڑھے کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

شام کے وقت پنڈت جی کیمپ میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ سردار بلدیو سنگھ بھی تھے۔ دونوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ پنڈت جی نے ایک مختصر سی تقریر میں کہا کہ وہ امن کے لئے پوری جد وجہد کر رہے ہیں۔ پنڈت جی کے آنے سے لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں مگر لاہور میں دوبارہ آباد ہونے کی اُمید نہیں رہی۔ شاید خُدا کو یہی منظور ہے کہ لوگ اپنے گھر بار سے اُجڑ جائیں۔

لالہ بھیم سین سچر نے لاہور میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کراچی بھی گئے تھے لیکن معلوم ہُوا ہے کہ ان کا مکان لوٹ لیا گیا ہے اور ان کی گاڑی پر بھی حملہ کیا گیا۔ سچر صاحب دہلی چلے گئے ہیں اور شاید دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔

کیمپ میں پرنسپل چھبیل داس کی دھرم پتنی شریمتی سیتا دیوی خوب کام کر رہی ہیں وہ ہے تو عورت ذات مگر مردوں سے بھی زیادہ ہمت اور حوصلے والی ہے۔ موٹر لے کر شہر کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور گھروں سے مظلوم ہندوؤں اور سکھوں کو نکال لاتی ہے۔

۳۱ اگست ۱۹۴۷ء

شیخوپورہ سے لالہ ہرنام داس آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بلوچی فوجیوں نے بارہ

ہزاروں سے زیادہ آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایک اینگلو انڈین مسٹر ڈزنی ہے۔ اس نے شہر کے کانگرسی کارکنوں اور دوسرے معززین کی ایک فہرست بنائی سب کو میٹنگ کے بہانے اکٹھا کیا اور گولیوں سے اڑوا دیا۔ اس کے بعد ملٹری شہر پر ٹوٹ پڑی اور آناً فاناً میں ہزاروں اشخاص موت کے گھاٹ اتار دئے۔

بہت صدمہ ہوا۔ ہلاک ہونے والوں میں میرے ایک دوست سردار گنگا سنگھ بھی تھے۔ ابھی چند دن پہلے لاہور میں ملاپ اخبار میں کام کرتے تھے۔ لاہور کی حالت نازک دیکھ کر شیخوپورہ کے قریب ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ گاؤں میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ کر شہر میں آ گئے۔ مگر بد قسمتی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ گاؤں تو بچ گیا۔ مگر شہر تباہ ہو گیا۔ کہتے ہیں ان کی ایک لڑکی بچ گئی ہے اور کسی قافلہ میں ہے۔

لالہ ہرنام داس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ لڑکیاں شیخوپورہ محلہ کھانڈ والا کی رہنے والی ہیں۔ ان کے پتا گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ یہ دونوں بھاگ کر سٹیشن پر پہنچ گئیں اور سوا سو روپے خرچ کر کے ایک رشتہ دار کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہو کر لاہور آ گئیں۔ ان کے رشتہ دار کو پولیس نے بلا ٹکٹ سفر کرنے پر گرفتار کر لیا اور اس کے بعد نہ معلوم اس کا کیا بنا۔ لڑکیوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کیمپ میں پہنچ گئیں۔

میں نے پوچھا۔ اب کہاں جاؤ گی؟

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ایک نے بڑی مشکل سے کہا۔ کاش ہم بھی گولیوں کا نشانہ بن جاتیں اب تو اس دنیا میں پرماتما کے سوا ہمارا کوئی نہیں رہا۔

اور میں سوچتا ہوں یہ انقلاب ہی تو ہے تاریخ کی کتابوں میں انقلاب کا ذکر پڑھتے تھے اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ انقلاب اپنے ساتھ تباہی لاتا ہے۔ لاکھوں

گھروں کو برباد کر دیتا ہے۔ سہاگنوں کے سہاگ اُجاڑ دیتا ہے اور بچوں کو یتیم بنا دیتا ہے یہی تو انقلاب ہے؟

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء

دہلی کے ایک ذمہ دار اخبار نویس آج سیالکوٹ گوجرانوالہ شیخوپورہ کا دورہ کرنے کے بعد یہاں پہنچا۔ اس نے بتایا کہ میں دہلی سے پنڈت جواہر لال سردار بلدیو سنگھ اور خان عبدالرب نشتر کے ہمراہ ایک فوجی قافلہ کے ساتھ گیا تھا۔ گرانڈ ٹرنک روڈ پر لاہور سے سیالکوٹ تک عام طور پر موٹروں اور لاریوں کا تانتا سا بندھا رہتا ہے لیکن اب یہ بالکل ویران اور سنسان سی نظر آتی تھی۔ ایک وسیع رقبہ میں کھیتیاں لہلہا رہی تھیں لیکن ارد گرد زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔

سڑک کے ساتھ میلوں تک قصبے کے قصبے جلے ہوئے انسانی پنجروں اور خالی مکانوں اور بند دکانوں کے منظر پیش کر رہے تھے۔ چاروں طرف چھائی ہوئی خاموشی نے ہمیں افسردہ کر دیا تھا۔ گوجرانوالہ پہنچ کر ہمیں زندگی کے آثار دکھائی دیئے۔ اس قصبہ کے ہندو سکھ اپنے گھروں کو چھوڑ کر مقامی گوردوارہ اور خالصہ سکول میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۶ ہزار تک پہنچ گئی ہے اور نواحی دیہات سے لوگ تباہی کی دردناک داستانیں لے کر یہاں آ رہے ہیں۔

ڈسکہ میں ۶ ہزار پناہ گزین سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سیالکوٹ اور اس کے دیہات میں حالت بے حد نازک نظر آتی تھی۔ مسلح حملوں کے بعد تمام ہندو سکھ مکانوں سے نکل کر چھاؤنی میں آ گئے ہیں۔

لائل پور میں ہندو سکھ نمائندوں نے پنڈت جی سے مل کر درخواست کی کہ انہیں اپنی اپنی جانوں کا خطرہ ہے اس لئے انہیں ہندوستان میں منتقل کر دیا جائے۔ مسٹر لیاقت علی نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوؤں اور سکھوں کو لائل پور چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ میں نے ضلع کے افسروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بلا لحاظ مذہب فساد کرنے والوں کو کچل دیں۔ تقریباً ایک درجن عورتوں نے جو اپنا سب کچھ گنوا چکی تھیں پنڈت جی سے ملاقات کی۔ یہ منظر نہایت، دردناک تھا۔ پنڈت جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ راکھی کا دن تھا اس لئے انہوں نے پنڈت جی کو راکھی باندھی۔

پنڈت نہرو کا جی بھر آیا اور انہوں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ فرقہ دارانہ خانہ جنگی کے شکار لوگوں کو مدد پہنچانے کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے۔

پنڈت جواہر لال سے ان ہندو افسروں کے نمائندوں نے بھی ملاقات کی جنہیں پوربی پنجاب کو منتقل کر دیا گیا ہے مگر وہ ابھی تک ڈیوٹی پر جا نہیں سکے۔ وہ اور اُن کے کنبوں کے ممبروں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ پنڈت نہرو نے ان کے کیس پر فوراً توجہ دینے کا وعدہ کیا۔

مسلم لیگیوں کے ایک وفد نے بھی پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ لائل پور میں ہندوؤں اور سکھوں کو رکھنے کے لئے صدق دلی سے کام کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہندو اور سکھ پوربی پنجاب کو چلے گئے تو ضلع کی اقتصادی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے انہیں کہا کہ وہ اپنا طرز عمل ایسا رکھیں کہ اقلیتوں میں اعتماد پیدا ہو۔ آپ نے کہا کہ پنجاب تو خودکشی کے راستے پر جا رہا ہے۔ چونکہ پوربی بنگال

بہت دُور ہے۔ اس لئے اگر ان کا صوبہ تباہ ہو گیا تو پاکستان تباہ ہو جائے گا۔

جھنگ اور چنیوٹ کے پناہ گزینوں نے بھی پنڈت جی سے ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے قصبوں میں تباہی کی دردناک داستان سُنائی اُنہوں نے بتایا کہ کس طرح ۵۰ ہزار اشخاص دونوں قصبوں میں پناہ گزینوں کی طرح اکٹھا ہو گئے ہیں اور لائل پور کے لوگوں کی خیرات پر زندگی ہے۔ لائلپور سے روزانہ انہیں خوراک بھیجی جاتی ہے۔ انہوں نے پنڈت جی سے درخواست کی کہ وہ فوراً ان کے قصبوں میں جائیں لیکن چونکہ یہ ممکن نہیں تھا اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ وہ دونوں قصبوں پر ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کریں تاکہ پناہ گزینوں کو کچھ حوصلہ ہو مسٹر لیاقت علی خاں سے مشورہ کے بعد پنڈت نہرو نے یہ تجویز مان لی۔

چار گھنٹے کے بعد پارٹی نے جھنگ اور چنیوٹ پر ہوائی جہاز سے اُڑان کی۔ جہاز بہت کم بلندی پر اڑ رہا تھا اور ہزاروں پناہ گزین ایک فیکٹری اور ایک سکول کے احاطوں میں کھڑے تھے اُنہیں بھی بتایا گیا کہ یہ جہاز صلح کا پیغامبر ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اسی سے اس کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد پارٹی لنچ کے لئے لاہور واپس آ گئی۔ ۵ بجے شام پارٹی شیخوپورہ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۵ ہزار اشخاص کا صفایا کر دیا گیا ہے اور ان کی جائیدادیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ دونوں وزیر اعظم ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈزنی کے بنگلے پر گئے۔ پنڈت جواہر لال کے دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ مجھے ضلع کے اندرونی حالات کے متعلق وثوق سے کچھ معلوم نہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ قریباً ایک لاکھ پناہ گزین موجود ہیں۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ ضلع میں کتنے لوگ مرے۔ مجھے وثوق سے صرف اتنا پتہ ہے کہ

۲ اگست ۱۹۴۷ء کو جب لوٹ مار ہوئی تو شیخوپورہ میں پولیس یا فوج کا کوئی شخص ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔

جہاں اس کے ٹلنے والے اور مبہم جواب مایوس کرنے والے تھے۔ وہاں فوج میں کسی کے زخمی یا ہلاک نہ ہونے کے متعلق۔ قتلِ عام کے متعلق ان کی تھیوری کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

اس کے بعد پارٹی نے پناہ گزینوں کو دیکھا جو ایک گوردوارہ اور ایک سکول کی بلڈنگ میں اکٹھے ہیں۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی اور ارد گرد کی گندگی نے پارٹی کو مقامی افسروں کی بے پرواہی سے مایوس کر دیا۔ تمام پناہ گزینوں نے سوگند کھا کر کہا کہ ۱۵ ہزار میں سے دس ہزار اشخاص کو فوج اور پولیس نے ہلاک کر دیا ہے۔

رجمنٹ کے ایک گورے کرنل نے بتایا کہ اسے بتایا گیا ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں مگر اس کی یہ اطلاع سول حکام کے بیان پر مبنی ہے۔ اس اندوہناک واقعہ پر کچھ روشنی ایک مسلمان لڑکے نے ڈالی جس نے گورے کرنل کو بتایا کہ انہوں نے بدلہ لیا ہے اور کہ ۳ جیپوں نے مشین گنوں اور بارٹروں کی مدد سے قتلِ عام کیا۔ ہلاک شدگان پر مٹی کا تیل ڈال کر انہیں جلا دیا گیا۔ بارود کے دو کنوؤں میں پھینک دیا گیا۔

معلوم ہوا ہے کہ اس رجمنٹ کے دو افسروں کو فیکٹری میں قتلِ عام کے سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قتلِ عام کا حکم دیا تھا غالباً شیخوپورہ میں اس قتلِ عام کے متعلق مزید بیان کرنے کی حاجت نہیں رہی تاہم ایک واقعہ قابلِ ذکر

ہے اور وہ یہ کہ جب پارٹی قصبہ کا چکر لگانے کے بعد واپس آرہی تھی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جو سڑک پر بیٹھا تھا۔ پنڈت نہرو کی کار روک لی اور چلا کر کہا کہ ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ لڑائی بند کریں۔ پنڈت نہرو اب بھی خاموش تھے۔ مگر اس پر انہیں غصہ آ گیا۔ جن لوگوں نے شیخوپورہ میں یہ تباہی کی تھی ان کی زبان سے ان الفاظ کا سننا ایک زیادتی تھی۔ پنڈت جواہر لال نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا "کیا تمہیں اپنے آپ پر شرم نہیں آتی۔ کیا تمہارا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ یہ مکان اور یہ لاشیں کیا ظاہر کرتی ہے۔ یہ لڑائی کون کر رہا ہے؟

جب پارٹی ڈپٹی کمشنر کے بنگلے میں واپس آئی تو پنڈت نہرو نے پناہ گزینوں کے ایک گروپ میں سے ایک شخص کو اشارہ کیا جنہیں وہ پہلے سے جانتے تھے۔ یہ شخص کسی وقت بہت دولتمند تھے۔ مگر اب صرف ایک قمیض پہنے ہوئے تھے۔ پنڈت نہرو کار پر سے اتر پڑے۔ انہوں نے اسے اور عورتوں اور بچوں کو تسلی دی۔ پنڈت جی نے انہیں بتایا کہ ایک ہزار لاریاں ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز ان لوگوں کو جو خطرے میں ہیں نکال لیں گی۔ ان پناہ گزینوں سے آپ نے جو دکھ بھری داستانیں سنیں ان سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ جب آپ شیخوپورہ سے روانہ ہوئے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ شیخوپورہ ختم ہو چکا ہے مگر دیہات کے لاکھوں اشخاص کو جو گھرے ہوئے ہیں بچانے کے لئے کیا کیا جائے؟

یہ تمام حالات سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سب نے پوچھا۔ آپ کے خیال میں کیا علاج ہے حکومت ہند کیا کرے گی؟

میں نے کہا۔ یہ میں بھی نہیں جانتا مگر میری رائے میں امن قائم ہونا ناممکن

ہے۔ موجودہ حالات میں آبادیوں کا تبادلہ ہی بہترین حل ہے۔

آبادیوں کا تبادلہ تو قدرت ہی کر رہی ہے۔ دونوں طرف قتلِ عام ہو رہا ہے۔ دونوں طرف تباہی مچی ہوئی ہے۔

میں نے پوچھا۔ دہلی کا کیا حال ہے؟

وہ خاموش ہو گیا ایک لمحہ کے بعد اس نے کہا۔ دہلی میں حالت بگڑ رہی ہے اور اگر جلدی قابو نہ پایا گیا تو جو کچھ لاہور اور شیخوپورہ میں ہو رہا ہے وہی دہلی میں بھی ہو گا۔

۲ ستمبر ۱۹۴۷ء

آج کیمپ میں افواہ پھیل گئی کہ مولوی عبدالغنی دہلی جاتے ہوئے امرتسر کے نزدیک ٹرین میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ میں نے فوراً بابو محمد دین کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ افواہ غلط ہے۔ مولوی صاحب گاڑی پر دہلی نہیں گئے بلکہ ہوائی جہاز پر گئے ہیں

"احسان" نگاہوں سے گزرا۔ اس کے پہلے صفحہ پر ایک چوکھٹے میں اپیل شائع کی ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کے مکان جلائے نہ جائیں کیونکہ یہ پاکستان کی قومی ملکیت ہیں اور انہیں ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمانوں کے حوالے کیا جائے گا۔

کیمپ سے باہر جانا خطرے سے خالی نہیں۔ اس لئے شہر کے حالات دیکھنے کی بے تابی کے باوجود باہر نہیں جا سکتا البتہ "سول" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں ۳۳ ہزار سے زیادہ مکانوں پر پوربی پنجاب سے آئے ہوئے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ سینکڑوں دوکانوں پر بھی اسی طرح قبضہ ہو چکا ہے اور ہزاروں مکان جل جانے کی وجہ سے جگہ جگہ کوڑا کرکٹ اور ملبہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور نالیوں کا گند پھیل کر بیماریاں

پھیلا رہا ہے۔

"سول" اینگلو انڈین اخبار ہے مگر بڑی جرأت سے لکھ رہا ہے۔ اس نے حکومت پاکستان کے اس بیان کو چیلنج کیا ہے کہ اس نے اخباروں پر سنسر کی پابندی نہیں لگائی۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ نے نواب ممدوٹ کے نام ایک کھلے خط میں لکھا ہے کہ سنیچر وار کو جو گاڑی لاہور پہنچی۔ اس کے مسافروں کو جو تلخ تجربات ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب ٹرین گجرات سے روانہ ہوئی تو کلہاڑیوں اور چاقوؤں سے مسلح چند مسافروں نے زنجیر کھینچ کھینچ کر بار بار گاڑی روکی اور ایک ایک کمرے میں جا کر دوسرے فرقہ کے لوگوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ بعض اوقات چلتی ٹرین میں حملے کئے گئے اور بعض اوقات گروہوں کی موجودگی میں جو ٹرین کے رکتے ہی دیہات سے لائن کی طرف دوڑتے آتے اور حملہ کر دیتے۔ کچھ مسافروں نے گاڑیوں کے نیچے رینگ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی مگر انہیں گھسیٹ کر باہر نکال لیا گیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ دو اشخاص گاڑی سے کود پڑے اور ان کا پیچھا کیا گیا اور اس مقصد کے لئے کچھ آدمی بھیجے گئے پہلے مسافروں کو تو کلہاڑیوں اور بھالوں سے ہلاک کیا گیا لیکن ان دو مسافروں کو پکڑ کر نہایت بے دردی سے آہستہ آہستہ چاقوؤں سے ذبح کیا گیا۔ آخیر میں ایک عورت اور اس کے تین کمسن بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔

راستہ میں ایک سٹیشن پر جب گاڑی رکی تو گاڑی میں ایک بھی مسافر نہیں رہا تھا جسے حملہ آور ہلاک کرتے۔ قاتلوں نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے اپنے فرقہ کے لوگوں سے معذرت کی اور کہا کہ ان میں بے حد جوش و خروش ہے مگر افسوس ہے کہ کوئی مرنے والا نہیں رہا۔

ممکن ہے آپ کے خیال میں پندرہ اشخاص کا دیدہ دانستہ سنگدلانہ قتل کوئی اتنا بڑا واقعہ نہ ہو مگر ان پندرہ اشخاص کی طرح کئی دوسرے بے گناہ لوگوں کو ہلاک کیا گیا ہے۔ اُترپردیش یا پُوربی بنگال سے شاید ہی کوئی ایسی گاڑی آئی ہو جس میں اس قسم کے مظالم نہ ہوئے ہوں۔

مگر گاڑیوں کی حفاظت کا معقول انتظام کیا جاتا تو جانوں کو بچایا جاسکتا تھا۔ جب ایک مرتبہ سندھ ایکسپریس کے گارڈ نے ہجوم پر چھ فائر کئے تو حملہ آور دُم دبا کر بھاگ گئے۔ ایک معمولی سا محافظ دستہ جس کے پاس دو سٹین گنیں ہوتیں ان پندرہ جانوں کو آسانی سے بچا سکتا تھا اور اس طرح سے اس خون خرابے کو جس نے بعد میں خوفناک شکل اختیار کرلی روکا جاسکتا تھا۔

میری رائے میں یہ ایک آسان طریقہ ہے جس سے آپ کی یقین دہانیوں اور وعدوں کو پورا کیا جاسکتا تھا کیا آپ اس پر عمل کریں گے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے مستقبل سے مجھے گہری دلچسپی اور اُمیدیں ہیں۔

معلوم ہُوا کہ بہاولپور، ملتان اور وزیر آباد میں بھی یہی حالت ہو رہی ہے اور فسادات کا شرمناک ترین پہلو یہ ہے کہ نوجوان لڑکیوں کو اغوا کیا جارہا ہے۔ ایک صاحب چونیاں سے کسی طرح بچ کر آئے ہیں انہوں نے بتایا کہ وہاں درجنوں لڑکیوں کو غنڈے اٹھا کر لے گئے ہیں یہی حالت پوربی پنجاب کے شہر دہلی امرتسر فیروزپور اور جالندھر میں بھی ہو رہی ہے۔

وحشی پن کی اس فضا میں کچھ نیک دل ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد

کر رہے ہیں۔ لالہ کشن دیال جی جو آج شملہ چلے گئے ہیں نے بتایا کہ کوٹ اعظم خاں میں ایک نیک دل افسر نبی احمد چیمہ نے ایک ساہوکار ہنسراج پوری کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچایا اور انہیں اور دوسرے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنی حفاظت میں فیروزپور پہنچایا۔ ایک اور مسلمان ملک عبدالرحمان خاں فلور مل کے مالک تھے انہوں نے قریباً دو درجن ہندوؤں اور سکھوں کی حفاظت کی اور انہیں قصور سے فیروزپور پہنچا دیا۔ دوسری طرف کراچی میں ہندوؤں کی اقلیتی ایسوسی ایشن نے مسلمان پناہ گزینوں کے لئے کیمپ کھول دیا ہے۔ اگر تمام لوگ اسی طرح نیک نیتی کا ثبوت دیں تو خونریزی آج ہی رک جائے۔ ایک صاحب مسلمان کے بھیس میں بہاولپور سے آئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ لاہور سے خان پور اور بہاولپور جانے والی ہر گاڑی کو روک کر مسافروں کو چن چن کر ہلاک کیا جا رہا ہے لکشمی انشورنس کمپنی بہاولپور کے ایجنٹ لالہ نین سکھ کراچی جا رہے تھے مگر اسٹیشن پر ہلاک کر دیئے گئے۔

لاہور میں مکانوں کے مکیں بدل رہے ہیں مہاشہ کرشن کی کوٹھی پر ایک شخص نے قبضہ کر لیا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا باقاعدہ اجازت نامہ اس کے پاس تھا۔ "ویر بھارت" کے دفتر پر بھی قبضہ ہو گیا ہے۔ دیوان کشن کشور کی کوٹھی میں خلیفہ قادیان نے ہیڈکوارٹر بنا لیا ہے۔ آریہ سماج انارکلی کے مندر پر بھی کئی لوگ قابض ہو گئے ہیں اور سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا کی بلڈنگ پر مسلم لیگ نے اڈہ جما لیا ہے —— آج سریش کہہ رہا تھا کہ میں کرشن نگر میں اپنے مکان سے سامان نکال لاؤں۔ میں نے کہا میں اتنی سی بات کے لئے اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ زندہ رہے تو سامان بن جائیگا۔ سریش بہت مغموم ہے۔ آج پھر ہمت سنگھ سے بات ہوئی بیچارہ ہمت سنگھ کیا کرے لوگوں کو بچانے کے لئے دن رات ایک کر رہا ہے کل ایک جگہ زخمی بھی ہو گیا مگر اس کی ہمت ہے کہ اپنا فرض انجام دے رہا ہے۔

چودھواں باب

۴ ستمبر ۱۹۴۷ء

آج کیمپ میں شیخوپورہ سے ایک صاحب آئے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور بائیں بازو پر گولی کا نشان تھا۔ اس نے بتایا کہ شیخوپورہ میں جو کچھ ہوا وہ وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر ڈرنی کی وجہ سے ہوا۔ اس شخص نے بتایا کہ ڈرنی نے شہر کے سرکردہ شہریوں اور کانگریسی کارکنوں کی فہرست تیار کی اور پھر سب کو گولی سے اُڑا دیا۔ مرنے والوں میں سے حسب ذیل اصحاب کے نام معلوم ہوئے ہیں۔

سردار لکشمن سنگھ ممبر امن کمیٹی۔ سوامی آنند سنگھ۔ گیانی رتن سنگھ جتھیدار۔ لالہ میلا رام سردار نہال سنگھ صدر کانگریس کمیٹی۔ سردار امرت سنگھ ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سردار چرنجیت سنگھ ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس۔ پنڈت دیس راج ایڈوکیٹ۔ پنڈت گیان چند

پردھان ہندو سبھا۔ چودھری مہر چند ایگزیکٹو آفیسر۔ چودھری ہری رام۔ پنڈت پورن چند بخشی مان سنگھ چڈھا۔ لالہ ستیہ پال پروپرائٹر پٹرول پمپ۔ لالہ پیارے لال چوپڑہ لینڈلارڈ سردار کاہن سنگھ۔ سردار رام سنگھ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ سردار گوردیال سنگھ تحصیلدار۔

اوکاڑہ سے ایک کاٹن فیکٹری کے مینجر یہاں پہنچے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کوئٹہ ایکسپریس پر رائے ونڈ کے نزدیک حملہ ہوا۔ حملہ آوروں نے سینکڑوں مسافر ہلاک کر دیئے اور کتنی ہی عورتوں کو اٹھا لے گئے۔

دلی سے جو اخبار نویس یہاں آئے تھے۔ میں نے ان سے دلی اور مشرقی پنجاب کا حال پوچھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ جو حالت یہاں ہے۔ وہی دہلی اور مشرقی پنجاب میں بھی ہو رہی ہے۔ نہ ایک جگہ امن ہے نہ دوسری جگہ چین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونو طرف بربریت کا ننگا ناچ ہو رہا ہے۔

لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کے خالی مکانوں کی تقسیم شروع ہو گئی ہے کیمپ کا معتبر کہہ رہا تھا کہ امرتسر جالندھر اور دوسرے شہروں سے آنے والے لوگ ان مکانوں پر قبضہ کر رہے ہیں اور ایک ایک مکان کی ہر دوسرے تیسرے روز ملکیت بدل جاتی ہے۔

آج فرقہ پرستوں نے دونو طرف سے فوجی امداد سے پناہ گزینوں کو نکالنے کے اور اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کا اعلان کیا ہے۔ اسی اعلان میں یہ بھی یقین دلایا گیا ہے کہ جبری تبدیلی مذہب اور جائدادوں پر غیر قانونی قبضہ کسی طرح تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مجھے تو یہ اعلان محض کاغذی نظر آتے ہیں۔ اگر حکومتیں سختی سے کام لیں تو دونو

طرف امن قائم ہوسکتا ہے لیکن اب تک آنسو پونچھنے کے لئے بھی کچھ نہیں کیا گیا۔ افسر موجود ہیں۔ فوج اور پولیس موجود ہے۔ اس کے باوجود دھاندلی مچی ہوئی ہے۔

۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

انگریز افسر موجودہ حالات میں کیا پارٹ ادا کر رہے ہیں اور مستقبل میں کیا پالیسی ہے۔ اس کا انکشاف آج "پاکستان ٹائمز" نے کیا ہے۔ اس نے ڈپٹی انسپکٹر پنجاب سی آئی ڈی پولیس مسٹر این۔ پی جنکنز کا ایک خفیہ خط شائع کیا ہے۔ جو اُسنے برٹش سیکیورٹی سروس کے ایک اعلیٰ افسر مسٹر لیڈل کو لکھا تھا۔

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ افسر برطانوی ہائی کمشنر کے نمائندے کی معرفت وائرلیس کے ذریعہ لندن سے نامہ و پیام کر رہے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ حکومت پاکستان کو یہ یقین دلایا جائے کہ برطانیہ کی فوجی امداد اس کے لئے ضروری ہے۔

چلیئے چھٹی ہوئی حکومت پاکستان نے مارچ کے تمام فسادیوں کو ضمانت پر چھوڑ دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ جیلوں سے رہا ہوئے۔ تو مسلم لیگیوں نے ان کا سواگت کیا۔ مطلب یہ پاکستان بننے کے بعد یہ لوگ اب قوم کے ہیرو بن گئے ہیں۔ دیکھیں ہندوستان بھی اس کی تقلید کرتا ہے یا نہیں۔

کراچی اب تک محفوظ تھا لیکن ریڈیو کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی لوٹ مار شروع ہوگئی ہے۔ یہی حالت دہلی میں بھی بیان کی جاتی ہے۔

۷ ستمبر ۱۹۴۷ء

ہمت سنگھ نے آج ہمت سے کام لیا اور سریش اور مجھے ساتھ لے کر ٹرک پر بھارت نگر کی طرف چل پڑا۔

لاہور کے مختلف محلوں میں پھر سے چہل پہل شروع ہو گئی ہے مگر وہ رونق نہیں رہی۔ بازاروں میں پوربی پنجاب سے آئے ہوئے مظلوم مسلمان جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک لوگ باغ میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ مال روڈ کی پٹڑیوں پر کئی ایک بے سروسامانی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وکٹوریہ کے بُت کے سبزے پہ بھی یہی حالت تھی۔ مال روڈ کی کچھ دکانیں کھُلی تھیں۔ باقی ابھی تک بند ہیں۔

ہمارا ٹرک جس راستے سے گزرتا تھا۔ لوگ قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ کئی ایک تو غلیظ گالیوں کی بوچھار کرتے تھے مگر خوف کی وجہ سے کوئی نزدیک نہیں آتا تھا۔

بھارت نگر میں بہت سے مکان جلے ہوئے ہیں۔ جب ہم ان کے نزدیک پہنچے تو ان مکانوں میں داخل ہو کر لُوٹنے والے کئی اگ بھاگ نکلے۔ ایک شخص شہر کی طرف سے ایک چھکڑا لا رہا تھا۔ غالباً اس پہ بھی لُوٹ کا مال لدا تھا۔ ہمارا ٹرک دیکھ کر یہ شخص چھکڑا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

سریش نے نرملا کا مکان دکھایا۔ مکان جل گیا تھا اور مکان کے باہر نرملا کی ماں کی ڈاکٹری کی دوکان بھی جلی ہوئی تھی۔ سریش نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگا کہ اب کیا ہو گا۔ نرملا کا پتہ کہاں سے لگے گا؟

ہمت سنگھ نے بندوق اٹھائی۔ ٹرک سے نیچے اُترا اور دوکانداروں سے نرملا کے ماں باپ کے متعلق پوچھنے لگا۔ ہر ایک لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا۔ ایک نوجوان

ضرورت سے زیادہ شرارتی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دوسرے لوگوں کو کہا —— یہ کون ہیں پوچھنے والے۔ ان سے بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمّت سنگھ کو غصہ آگیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور بندوق تان لی۔ دوسرے سپاہی بھی بندوقیں تان کر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ بھاگ گئے۔ ہمّت سنگھ نے اس نوجوان کو ٹرک میں بٹھا لیا اور گاڑی کا رُخ بدل لیا۔

نوجوان جو چند لمحے پہلے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہا تھا اس واقعہ سے گھبرا گیا۔ اس نے بتایا کہ نرملا کا باپ تو چھرے سے ہلاک ہو گیا تھا اور ماں کو ایک ہجوم نے بالوں سے پکڑ کر گھوڑے کی طرح چکر دینے کے بعد جلتی آگ میں پھینک دیا تھا۔

میں اس بربریت پر کانپ اُٹھا۔

"اور نرملا؟" ہمّت سنگھ نے کڑک کر کہا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں"۔ اس نے جواب دیا۔ ہمّت سنگھ خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ "خیر اسے تو گرفتار کر لینا ہی بہتر ہے۔ اسے کیمپ میں پہنچانے کے بعد ہم اس بستی میں اور بھی گرفتاریاں کریں گے۔ تب ہی نرملا کا پتہ چلے گا۔"

گاڑی کیمپ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ نوجوان یہ دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ اس نے کہا —— "اگر نرملا کا پتہ لگ جائے تو کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے"؟

ہمّت سنگھ نے وعدہ کیا اور گاڑی پھر واپس روانہ ہوئی۔ بھارت نگر کے باہر ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نوجوان نے کہا —— یہاں سے ہی پتہ لگے گا۔ دو تین روز ہوئے یہ لڑکی یہاں ہی تھی۔"

نوجوان نیچے اُترنے لگا تو ہمّت سنگھ نے اس کو روک کر کہا۔ "جسے بلانا ہے

یہاں سے ہی آواز دے کر بلاؤ۔ اترنے کی اجازت نہیں دی جائے گی"۔

نوجوان نے ایک شخص عبداللہ کو آواز دی۔ وہ باہر نکلا اور ٹرک کو دیکھ کر بھاگنے لگا کہ ہمت سنگھ نے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور کڑک کر کہا۔ "نرملا کہاں ہے؟"

اس نے ہمت سنگھ کی طرف دیکھا اور اس کے بعد اس نوجوان کی طرف۔ اس کے بعد اس نوجوان کو گالی دیتے ہوئے کہا —— حرامزادہ سب کچھ جانتا ہے مگر خواہ مخواہ دوسروں کو پھنسوا رہا ہے۔

ہمت سنگھ اب کے خاموش نہ رہ سکا۔ اس کے اشارے پر سپاہیوں نے مکان گھیر لیا۔ تلاشی لی تو دو لڑکیاں برآمد ہو گئیں۔

انہیں دیکھ کر عبداللہ گڑگڑانے لگا —— حضور! یہ تو ایک دوست کی امانت تھیں۔ میں خود ہی کیمپ میں پہنچانے گیا تھا مگر.....

ہمت سنگھ نے لڑکیوں کو حوصلہ دیا تو انہوں نے کہا —— یہ بدمعاش ہے، اس نے ہمیں اغوا کیا تھا۔ اگر آپ نہ آتے تو شام تک ہمیں کسی دوسری جگہ پہنچا دیتا۔

اسے گرفتار ہو کر ٹرک میں بیٹھتے ہوئے دیکھ کر گلی میں کھڑے ہجوم میں سے ایک بوڑھا شخص باہر نکلا۔ اس نے ہمت سنگھ کے نزدیک آ کر کہا —— جس لڑکی کو آپ تلاش کر رہے ہیں وہ محفوظ ہے اور پھر اس نے پہلے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اسی بدمعاش نے اسے گھر میں چھپا رکھا ہے۔

ہمت سنگھ نے کہا —— "تو آپ اسے لے آئیں ورنہ ہم ایک ایک مکان پہ چھاپہ ماریں گے۔ نرملا کو چھڑائے بغیر ہم میں سے ایک آدمی بھی واپس نہیں جائے گا۔"

گاڑی کو ایک طرف لے جاتے ہوئے ہمت سنگھ نے کہا —— معلوم ہوتا ہے

یہاں اور بھی کئی لڑکیاں ہیں۔ ہمیں مزید سپاہی منگوا لینے چاہئیں تاکہ معاملہ بگڑ جائے تو صورت حال پر قابو پانے میں دقت پیش نہ آئے۔

یہ کہہ کر اس نے وائرلیس پر ہیڈ کوارٹرز سے بات چیت کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ ۵۔۱۰ منٹ میں کمک پہنچ جائے گی۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نزدیک کے مکان میں کسی کے جھگڑنے کی آواز آئی۔ بھگت سنگھ بندوق اٹھا کر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ دے کر ٹرک سے کود پڑا۔

مکان میں داخل ہوئے تو ایک عورت نے فوراً برقعہ نیچے کر لیا۔ ایک آدمی اس سے جھگڑ رہا تھا۔ وہ بھاگنے لگا تو ہمت سنگھ نے کڑک کر کہا۔ "رک جاؤ ورنہ گولی چلا دونگا۔"

وہ رک گیا اور برقعہ پوش عورت نے نزدیک آکر کہا —— یہ ایک بدمعاش ہے پڑوس کی ایک ہندو لڑکی ہمارے مکان میں پناہ لے رہی ہے۔ میں اسے آپ کے پاس لانا چاہتی تھی مگر یہ بدمعاش مجھے روک رہا تھا۔

بات چیت سنتے ہی لڑکی کمرے سے نکل آئی اور دوڑتی ہوئی ہمت سنگھ سے چمٹ گئی۔

چودہ پندرہ سال کی معصوم لڑکی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے برقعہ پوش عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر یہ نہ ہوتیں۔ تو میں کبھی بچ نہ سکتی۔

لڑکی کا نام تھا سوشیلا اور برقعہ پوش عورت کا نام تھا سمیہ —— اس نے کہا۔ آپ اسے کیمپ میں لے جائیے اس کا باپ کیمپ میں ہی ہے اور اس کی طرف سے مجھے کئی پیغام مل چکے ہیں مگر میں مجبور تھی۔ کوئی راستہ سوجھتا ہی نہیں تھا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے دو روپے کا نوٹ نکالا اور لڑکی کو دیتے ہوئے کہا ـــــ "تمہاری موسی نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب اللہ کے حوالے کر رہی ہوں۔ دُعا کرتی ہوں کہ تم پر کوئی مصیبت نہ آئے"۔

سوشیلا اس سے چمٹ کر بچّوں کی طرح رونے لگی۔

ہماری آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔ سوشیلا کو لے کر باہر نکلے تو ایک ہجوم گلی کے باہر کھڑا تھا۔ ہمت سنگھ نے لڑکی کو ٹرک پر سوار کیا اور انسانیت کے نام پیان سے نرملا کی واپسی کے لئے اپیل کرنے لگا۔

ہجوم خاموش تھا۔ ہمت سنگھ کو دیکھ کر لوگ منتشر ہونے لگے۔ کئی لوگ گالیاں دے رہے تھے اور دوسرے غصے کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جس بوڑھے نے کچھ دیر پہلے نرملا کا پتہ بتایا تھا۔ وہی اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے نزدیک آکر کہا ـــــ "ہم نے پیغام بھیج دیا ہے۔ نرملا ابھی حاضر کر دی جائے گی"۔

ہمت سنگھ نے اسے ایک طرف لے جا کر پوچھا۔ "کوئی اور اغوا شدہ لڑکی ہے کہیں؟"

بُوڑھے نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا "یہاں تین چار لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ اس کے گھر چھاپہ ماریں تو سب کی سب برآمد ہو جائیں گی"۔

ہمت سنگھ کے اشارے پر فوجی سپاہی مکان میں داخل ہو گئے۔ میں بھی اندر گیا مگر مکان خالی تھا۔ اس میں کوئی بھی شخص نہیں تھا۔ باہر نکلنے لگے تو دوسرے مکان سے کچھ لوگ باہر نکلتے ہوئے نظر آئے۔ ہمت سنگھ نے بڑھ کر ان میں سے ایک کو پکڑ لیا۔ وہ اتنا خوفزدہ

ہُوا کہ اس نے گرفتار ہوتے ہی بتا دیا کہ اسی مکان میں اغوا شدہ لڑکیاں ہیں۔ ہمت سنگھ ہمیں ساتھ لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ مگر اس مکان میں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ گرفتار شُدہ شخص کے اشارے پر ایک کمرے کا تالا توڑا گیا تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تینوں لڑکیاں رسیوں سے بندھی پڑی تھیں اور اُن کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہُوا تھا۔

سریش انہیں دیکھ کر خوشی سے چلّا اُٹھا۔ ایک لڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کہا —— "یہی نرملا ہے"۔

لڑکیوں کو نجات مل گئی۔ نرملا اور وہ دونوں ابھی تک خوف سے کانپ رہی تھیں۔ نرملا نے بتایا کہ اسے عبدالرشید تانگے والے نے اغوا کیا تھا اور آج فوج کے آنے کی خبر سُن کر انہیں پہلے ایک مکان میں لا کر چھپایا گیا اور اب دوسرے مکان میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

ہمت سنگھ نے اسے تسلی دی اور اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ رونے لگی۔ اس نے کہا۔ اب میں کہیں جا کر کیا کروں گی؟"

"کیوں؟" سریش نے پوچھا۔ "اب تو تم قید سے نجات حاصل کر چکی ہو"۔

نرملا بدستور رو رہی تھی۔ اس کی ساتھی لڑکیوں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "ان لوگوں نے زبردستی ہمارا نکاح کر دیا ہے۔ اب ہمیں کون قبول کرے گا۔ اس کی بجائے تو بہتر یہ ہے کہ ہمیں گولی سے اڑا دیا جائے"۔

ہمت سنگھ نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور تسلی دیتے ہوئے کہا —— گھبرانے کی کوئی بات نہیں بیٹی۔ تمہیں کوئی واپس لینے سے انکار نہیں کرے گا۔ تم تو مجبور تھیں۔ جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔

تینوں لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ سریش نے نرملا کو سہارا دیتے ہوئے کہا —— ہماری

نگاہوں میں تم نردوش ہو۔ ہم پہلے سے بھی زیادہ تمہاری عزت کرتے ہیں۔

اور جب تینوں لڑکیاں ٹرک پر سوار ہوگئیں تو اتنے میں ایک اور ٹرک بھی آگیا تھا۔ ہمت سنگھ نے وہیں ٹھہر کر مزید لڑکیاں برآمد کرنے کے لئے کہا اور ہم ٹرک پر سوار ہو کر کیمپ میں آگئے۔

سریش خوش ہے۔ شام کے دھندلکے میں اس نے نرملا سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا ——— "انہیں کی بدولت ہم ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ ورنہ میں تو بالکل مایوس ہوگیا تھا"

نرملا نے شکریہ کے انداز سے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

سریش اور نرملا ایک فوجی ٹرک میں امرتسر روانہ ہوگئے ہیں۔ سریش ہوشیار پور میں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس جائے گا۔ نرملا کا سریش کے سوائے اور کوئی نہیں۔ ٹرک پر سوار ہوتے وقت دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو رہے تھے۔

کیمپ میں رہتے رہتے تنگ آگیا ہوں۔ آج باہر نکل گیا اور کرشن نگر کی طرف روانہ ہوگیا۔ کرشن نگر میں مشرقی پنجاب اور دہلی سے آئے ہوئے لوگ آباد ہو رہے ہیں۔ بڑی سڑک پر دونوں طرف کے مکانوں کو حکومت نے افسروں کے لئے محفوظ رکھ لیا ہے مگر دوسرے مکانوں پر لوگ زبردستی قبضہ کر رہے ہیں۔

اپنے مکان کے سامنے سے گزرا۔ دروازے پر ابھی تک قفل لگا ہوا تھا لیکن دوسرے دروازے کھلے تھے معلوم ہوتا ہے داخل ہونے والے بت توڑ کر داخل ہوئے تھے۔

ایک صاحب باہر نکلے میں نے پوچھا۔ تو کہنے لگے —— آیئے اگر آپ کو گھر چاہیئے تو ایک کمرہ خالی ہے۔

میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ وہ کہنے لگے —— "کیا کروں آج کل تو ہر شخص لٹیرا بن گیا ہے۔ کل سامان لا کر رکھا تھا باہر گیا تو تالا توڑ کر کسی نے سارا سامان اُٹھا لیا"

میں نے پوچھا —— "آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"دہلی سے" اس نے جواب دیا۔

"کیا حال ہے وہاں کا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگا "دہلی کا کیا حال پوچھتے ہو؟ جسم کے تین کپڑوں میں آیا ہوں۔ قرول باغ میں رہتا تھا۔ شام کے وقت مکان میں کھانا پکا رہا تھا کہ حملہ ہو گیا۔ اور ننگے پاؤں ننگے سر بھاگنا پڑا۔ بیوی بچ گئی مگر لڑکا گولی کا نشانہ بن گیا۔ کیمپ میں دس دن رہا۔ وہاں بیوی مر گئی۔ اکیلا ہی گاڑی پر یہاں پہنچا ہوں"۔

میں نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ پوچھنے لگا "آپ کہاں سے آئے ہیں؟" کیا جواب دیتا۔ میں نے کہا "میں یہاں کا ہی رہنے والا ہوں۔ یوں ہی ادھر آنکلا ہوں"۔

"تب تو آپ کے مزے ہوں گے"۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا "یہاں کے لوگوں نے تو خوب ہاتھ رنگے ہیں"۔ اور پھر اپنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا "کہتے ہیں اس مکان میں ایک اخبار نویس رہتا تھا۔ کافی مالدار ہوگا مگر جب میں یہاں پر آیا تو مکان خالی تھا۔ ایک ٹوٹی چارپائی بھی نہیں تھی یہاں پر"۔

میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ دل میں کہا۔ چلو چھٹی ہوئی۔

کونے کے مکان پہ ایک چھکڑا آکر کھڑا ہوا۔ کوئی صاحب بال بچوں سمیت مکان سے سامان نکال نکال کر لاد رہے تھے۔

میرے مکان میں رہنے والا کہنے لگا۔ "یہ دیکھئے آج کل لوٹ کا یہ بھی ایک ڈھنگ ہے۔ یہ صاحب کل اسی مکان میں داخل ہوئے تھے اور آج سامان اٹھا کر غائب ہو رہے ہیں"

ہم دونوں ان کے نزدیک گئے۔ وہ صاحب ہم کو دیکھ کر کہنے لگے۔ "عجیب گورکھ دھندا ہے۔ کل رات سامان لے کر آیا تھا اور آج حکومت نے گوجرانوالہ میں تبادلہ کر دیا ہے۔ مجبور ہو کر جا رہے ہیں۔"

مجھے ہنسی آ گئی کتنا جھوٹ تھا۔ یہ سامان تو ہندو مالک کا تھا کتنی ہی چیزیں تو میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔ اور وہ صاحب اپنی حرکت پر پردہ ڈالنے کے لئے کہہ رہے تھے حرامزادی حکومت ہے خواہ مخواہ غریب مہاجروں کو پریشان کر رہی ہے۔

میں انہیں وہاں ہی چھوڑ کر سڑک پر آ گیا۔ دو آدمی ایک دوکان کا تالا توڑ رہے تھے ان کے سامنے ایک پولیس مین ٹریفک کنٹرول کر رہا تھا مگر تالا توڑنے والے اپنے کام میں بے خوفی سے مصروف تھے۔ لوٹ کے مال سے لدے ہوئے چھکڑے آ جا رہے تھے مگر انہیں روکنے والا کوئی نہیں۔

ڈاکٹر چمن لال کی دکان سے گزرا۔ وہاں ایک مہاجر کباب اور سیخیں فروخت کر رہا تھا اور دوائیوں کی شیشیاں بدستور طاقچوں پر پڑی ہوئی تھیں۔

دیانند ماڈل سکول کی عمارت پناہ گزینوں سے بھری پڑی تھی اور جگہ جگہ سے گندگی کی بو اٹھ رہی تھی۔ یہاں سے مال روڈ تک سارا علاقہ سنسان تھا۔ گاہے گاہے بسیں گزرتی تھیں یا سرکاری عمارتوں کے باہر مسلح پولیس نظر آتی تھی ان کے سوا کوئی شخص دکھائی نہیں

دیتا تھا۔ ڈسٹرکٹ کورٹ بھی ویران نظر آتی تھی۔ عدالتیں لگی ہوئی تھیں مگر نہ تو کوئی موکل تھا، نہ ہی وکیل۔

موہن لال روڈ پر کئی دوکانیں جلی ہوئی ہیں۔ دوسری دوکانوں کے مالک بدلے ہوئے ہیں۔ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ کے چھاپے خانے کے باہر ایک لاش خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی۔ رائے بہادر موہن لال کی کوٹھی کے اندر کتنی ہی برقعہ پوش عورتیں نظر آئیں۔ ایس پی۔ ایس کے ہال کے سامنے جگہ جگہ کچا اور پکا ہوا گوشت۔ پرانے اور نئے سلے سلائے کپڑے۔ کرسیاں میزیں۔ ریڈیو سیٹ۔ چارپائیاں اور اس طرح کا دوسرا سامان بک رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب لوٹ کا مال ہے۔ اب اسے فروخت کیا جا رہا ہے تاکہ پیٹ کی آگ بجھائی جا سکے۔

ایک عورت نے چنے اور مکی بھوننے کے لئے بھٹی لگا رکھی تھی۔ میں نے اس کے نزدیک جا کر پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ انبالہ سے آئی ہے اس کا خاوند وہاں بساطی کی دوکان کیا کرتا تھا۔ وہ وہاں ہی مارا گیا وہ ایک قافلہ کے ساتھ آئی ہے اور بھٹی لگا کر پیٹ پال رہی ہے۔

میں نے اس سے چنے خریدے۔ اس نے میری طرف التجا آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا — "بابوجی ہم لوگ کب اپنے دیش میں پھر واپس جائیں گے؟"

میں نے کہا — "اب وہاں کیا رکھا ہے۔ تمہارا خاوند مارا گیا۔ دوکان لٹ گئی۔ اب وہاں جا کر کیا کرو گی"۔

اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اس نے کہا — "ٹھیک ہے مگر یہاں بھی اپنے لئے کیا رکھا ہے۔ کوئی رشتہ دار نہیں۔ کوئی اپنا ہمدرد نہیں اور رہنے کے لئے

جگہ بھی نہیں۔ اگر اس طرح مرنا ہی ہے تو اپنے ملک میں ہی جا کر کیوں نہ مریں"۔

شاہ عالمی اور لوہاری گیٹ کے درمیان بھی پکا اور بُھنا ہُوا گوشت خونچوں پر بک رہا تھا اور اس کی بدبو ساری فضا میں پھیل رہی تھی۔ سڑک کے عقبی راستے پر معمول سے زیادہ گداگر نظر آئے پہلے تو گداگر زیادہ تر ایرانی ہوتے تھے مگر اب پنجابی گداگر بھی دکھائی دے رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سب مہاجر ہیں۔

شاہ عالمی سے گزر کر باغ کے راستہ موچی گیٹ کی طرف جانے لگا۔ یہاں بھی گداگروں کا وہی منظر تھا۔ ایک نوجوان نے نزدیک آ کر کہا۔ "بابو جی مال چاہیئے؟"

"مال" کا مطلب مَیں جانتا ہوں اور اکثر کسی کی زبان سے یہ لفظ سُن کر میں جھگڑ پڑتا ہوں مگر اس بار جھگڑا نہیں کیا۔ میں نے ایک طرف ہو کر کہا ——"کیا مال ہے اور کہاں ہے؟"

اس نے نالے کے پار مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ——"وہاں ہے شریف گھرانے کی لڑکی ہے۔ آپ دیکھیں گے تو ....."

میں نے کہا ——"کہاں کے رہنے والے ہیں؟"

"فیروزپور کے"۔ اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ اور پھر وہ خود ہی کہنے لگا۔ آپ جانتے ہی ہیں حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ یوں تو کبھی نام بھی نہ لیا مگر کیا کریں غریبی کے ہاتھوں تنگ آ کر ....."

اور پھر کچھ لمحے رُک کر اس نے کہا ——"تین چار ہیں آپ چاہے جسے پسند کر لیں"۔

مکان دیکھ لیا اور مکین بھی۔ چار نہیں سات لڑکیاں تھیں۔ پژمردہ چہرے ——پھٹے ہوئے مگر صاف ستھرے کپڑے۔ بول چال سے معلوم ہوتا تھا کہ سب کی سب مظلوم ہیں۔

میں نے شام کو آنے کا وعدہ کیا اور سیدھا تھانہ میں پہنچا۔ تھانہ کے انچارج نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا ـــــ "تو کونسا آسمان گر پڑا۔ لاہور میں کونسی جگہ خالی ہے ہم کہاں کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ آپ ہی بتلائیے۔"

دوسرے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خاموشی سے چمپت ہو جاؤ ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ان لوگوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ بڑے خطرناک ہوتے ہیں یہ لوگ۔"

بات درست تھی اور میرے لئے تو اور بھی درست۔ تاہم میں نے حوصلہ کیا اور کوتوالی میں پہنچ گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک شریف آدمی تھا۔ اس نے جیپ لی اور مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر موقعہ پر پہنچ گیا۔

پولیس کو دیکھ کر ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ سات کی بجائے تیرہ لڑکیاں برآمد ہوئیں پولیس نے گھیر کے سب آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک بھی ان کا رشتہ دار نہیں تھا۔ ان لڑکیوں کی داستان نہایت دردناک تھی۔ سب مشرقی پنجاب کی مہاجر لڑکیاں تھیں۔ کیمپ میں لاوارثوں کی حیثیت سے رو رہی تھیں کہ بدمعاشوں کے ایجنٹ وہاں پہنچے اور انہیں ماں باپ سے ملانے کا وعدہ کر کے یہاں لے آئے اور اب انہیں عصمت فروشی کیلئے مجبور کیا جا رہا ہے۔

رپورٹ درج ہوئی۔ میرے لئے بڑی مشکل تھی میں نے اپنا نام اور پتہ غلط لکھا دیا تھا کہ کہیں اصلی نام لکھوا دیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کہہ رہے تھے لعنت ہے ان لوگوں پر۔ قوم پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں مگر ان کو ابھی تک شرم نہیں آتی۔

شام کے دھندلکے میں کیمپ کی طرف لوٹ آیا۔ کیمپ کے پہریداروں نے روک لیا ان میں سے ایک کہنے لگا۔ آج تو اجازت دے دی جاتی ہے مگر آئندہ اس طرح باہر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

پندرھواں باب

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء

کل رات ریڈیو پر مہاتما گاندھی اور سردار پٹیل کی تقریریں سنیں۔ مہاتما جی نے بتایا کہ انہیں پشاور سے اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر لالہ گردھاری لال پوری نے تار بھیجا ہے ــــــ "کہ مجھے اور میری دھرم پتنی کو فسادیوں نے گھیر لیا ہے ہمیں بچایا جائے"۔ مہاتما جی نے کہا کہ ایسی خبروں سے میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ صوبہ سرحد میں رہنے والے ہندو اور سکھ اس طرح ــــ نہیں جس طرح کہ وہاں کے مسلمان محفوظ ہیں۔

سردار پٹیل نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ دہلی میں امن قائم رکھیں تاکہ مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد سے ہندوؤں اور سکھوں کو سلامتی سے نکالا جائے۔

لالہ گردھاری لال پوری میرے دوست ہیں۔ جولائی میں پشاور گیا تھا تو ان کے

ہاں ہی ٹھہرا تھا۔ پوری صاحب مجھے کہہ رہے تھے کہ میں پشاور سے اخبار جاری کروں۔ کتنے پر امید تھے وہ۔ لیکن آج انہیں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے مہاتما گاندھی کی توجہ سے ان لوگوں کی حفاظت ہو جائے۔ لیکن ان کی طرح دوسرے لاکھوں انسانوں کا کیا بنے گا۔ جن کی آواز گاندھی جی تک نہیں پہنچ سکتی۔

راولپنڈی سے ایک قومی کارکن بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچے ہیں بھیس بدل بدل کر آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ راولپنڈی میں بھی چھرے بازی شروع ہو گئی ہے پولیس نے لالہ دیوراج آنند کو جھوٹے مقدمہ میں پکڑ کر حوالات میں ڈال دیا ہے اور جو لوگ جان بچا کر مری کے راستے کشمیر جا رہے ہیں۔ ان پر حملے کئے جا رہے ہیں۔

اسی کارکن نے بتایا کہ راولپنڈی اور ایبٹ آباد میں کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کھیوڑہ کے راستے باغ اور پونچھ کے علاقہ میں نیشنل گارڈز کے رضاکار ہتھیار بھیج رہے ہیں اور کئی جگہوں پر ریاستی فوج سے ان رضاکاروں کی جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ باغ میں پاکستان کے علاقہ سے ہزاروں لوگ داخل ہو گئے اور انہوں نے اقلیتوں کے کئی مکان اور دوکانیں جلا دیں۔

آج شام کو لوئر مال پر بہت شور شرابہ تھا۔ سنا ہے مسلمانوں نے ایک جلوس نکالا ہے جس میں "نواب ممدوٹ مردہ باد" کے نعرے بلند کئے گئے۔ یہ لوگ "انتقام" کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سنتری نے مجھے بتایا کہ جب نواب ممدوٹ انہیں سمجھانے لگے تو ایک شخص نے بڑھ کر انہیں چپت رسید کر دی۔ نیشنل گارڈز کے رضاکاروں نے بڑی مشکل سے نواب صاحب کو بچایا۔

کئی دن کے بعد آج "سول اینڈ ملٹری گزٹ" پڑھنے کا موقعہ ملا۔ اس نے لکھا ہے کہ جو لوگ مشرقی پنجاب سے لوٹ کر لاہور آئے تھے انہیں ڈپٹی کمشنر

کے پرسنل اسسٹنٹ نے ان کی دوکانیں اور مکان واپس کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس اخبار نے "وعدہ معافی" کے عنوان سے اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں لکھا ہے:۔

"لاہور میں ذمہ دار سرکاری افسر ہندؤوں اور سکھوں کے مکانوں سے گراموفون کرسیاں بجلی کے میٹر وغیرہ اشیا نکال کر لے جا رہے ہیں"۔

کوئٹہ میں مقیم گورنر جنرل کے ایجنٹ سر جعفرے پراڈ نے ایک بیان میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ کوئٹہ کے مسلم لیگی پاکستان کو قاتلستان یعنی قاتلوں کے ملک میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مسٹر پراڈ سے کوئی پوچھے کہ آپ شہریوں کی حفاظت کے لئے کیا کر رہے ہیں حکومت کی مشینری آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ مشینری حملہ آوروں کے خلاف حرکت میں کیوں نہیں آئی۔

"سول" کی ہندوستانی خبروں میں چودھری خلیق الزمان کا ایک بیان قابل ذکر ہے انہوں نے سر ظفر اللہ وزیر خارجہ پاکستان کے ایک بیان کے جواب میں کہا کہ انہیں ہندوستان کے خلاف بیان دینے کی بجائے پاکستان میں امن قائم کرنا چاہیئے۔ چودھری صاحب نے کہا کہ:۔

"مہاتما گاندھی نے اپنی جان پر کھیل کر صرف کلکتہ ہی نہیں بلکہ سارے مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں امن قائم کرا دیا ہے۔ سر ظفر اللہ اور مسٹر جناح اس طرح کیوں کوشش نہیں کرتے۔ ہندوستان میں بلاشبہ فساد ہو رہے ہیں لیکن کیا مغربی پنجاب میں ہی تباہی نہیں ہو رہی"۔

بات تو درست ہے لیکن کتنے دوسرے لوگ ہیں جو گاندھی جی کی طرح امن قائم

کرنے کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالنے کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔

آج جگن ناتھ آزاد کیمپ میں آئے تھے۔ دہلی سے ہو کر اپنے مکان سے سامان نکالنے کے لئے آئے تھے۔ گلے لگ کر ملے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے پوچھا —— دہلی کا کیا حال ہے؟ کہنے لگے جو حال لاہور کا ہے۔ وہی دہلی کا ہے۔ اکثر محلے خالی ہو گئے ہیں۔ عیدگاہ کا میدان جان بچا کر شہر سے نکل جانے کے خواہشمندوں سے بھرا ہوا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جہاں دہلی میں کئی آدمی امن و امان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں وہاں لاہور میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی۔

آزاد صاحب اپنے مکان سے سامان نکال لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں انہوں نے مزے کی بات کہی۔ کہنے لگے۔ جب سامان نکالا جا رہا تھا تو ایک پولیس مین نے ریڈیو سیٹ پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ کیا آپ مجھے یہ عنایت نہیں فرما سکتے؟

"عنایت فرمانے" کا مطلب یہ تھا —— کہ آزاد صاحب ریڈیو سیٹ اس کے حوالے کر دیں۔ ورنہ سامان اٹھا کر لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ آزاد صاحب نے ریڈیو دے دیا تو اس نے کہا۔ اگر آپ پچاس روپے کی رسید دے دیں تو بہتر رہے گا۔ آزاد صاحب کیا کرتے۔ "بوگس فروخت" پر سچائی کی مہر لگ گئی اور انہوں نے روپیہ لئے بغیر رسید دے دی۔

ایک اخبار نے لکھا تھا کہ دہلی میں امام مسجد اور خان بہادر شیخ حبیب الرحمان کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی نعشیں دفنا دی گئی ہیں۔ آزاد صاحب نے خبر پڑھی تو کہنے لگے —— یہ غلط ہے دونوں اصحاب زندہ ہیں اور امن قائم کرنے کی کوشش

کر رہے ہیں۔

سُنا ہے مسلم نیشنل گارڈز نے بریڈلا ہال پر قبضہ کر لیا ہے۔ بریڈلا ہال لاہور کا تاریخی ہال ہے۔ اس کا افتتاح کانگرس کے صدر دادا بھائی نارو جی نے کیا تھا یہاں صوبہ کانگرس کا دفتر تھا۔ حالات بدل گئے۔ ملک کا نقشہ بدل گیا۔ مندر مسجدوں میں تبدیل ہو رہے ہیں تو صوبہ کانگرس کا دفتر مسلم لیگ کے دفتر میں کیوں نہ تبدیل ہو جائے۔

آزاد صاحب دہلی جا رہے ہیں۔ میں نے ان کے ہاتھ اپنے گھر پیغام بھیج دیا ہے۔ لاہور میں اب زیادہ دیر تک ٹھہرنے کا کوئی خاص مقصد نہیں۔ نہ ہی فائدہ ہے لیکن اسے چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ چند دن اور سہی کیمپ کے باہر نہ سہی اندر ہی سہی۔ اس کے بعد کون جانتا ہے کہ لاہور واپس آنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

۲۱ ستمبر ۱۹۴۷ء

بھارت انشورنس کمپنی کے مسٹر جین آج کیمپ میں آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کئی دن کے بعد ان کی کمپنی کا دفتر کھولا گیا تو پولیس فوراً موقعہ پر پہنچ گئی۔ ایک پولیس افسر نے کہا ...... یہاں کوئی کاروبار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حکومت نے یہ عمارت اپنے قبضہ میں لے لی ہے۔ پولیس نے چوکیدار کو پیٹا۔ اس کے بعد ایک مجسٹریٹ آ گیا۔ اس نے سٹاف کے تمام ممبروں کو ایک دائرے میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور انہیں پولیس نے زدو کوب کرنا شروع کر دیا ...... مجسٹریٹ کو شکایت تھی کہ سٹاف نے پولیس سے بدسلوکی کی ہے اس نے ہر ایک ملازم کو اپنی ناک رگڑنے کے لئے مجبور کیا۔

مسٹر جین نے بتایا کہ حکام نہ تو انہیں کاروبار کرنے دیتے ہیں۔ نہ ہی کمپنی کے

کاغذات دہلی لے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔

گورنمنٹ پرنٹنگ ، پریس کے ایک ملازم بہت بری حالت میں کیمپ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے بتایا ——— کہ ٹریبون پریس کے سپروائزر پنڈت آتم سروپ شرما کے مکان پر پٹھانوں کی ایک ٹولی نے حملہ کر دیا۔ انہوں نے گھر کا تمام سامان لوٹ لیا۔ عورتوں کے جسم سے زیور تک اتار لیے۔ شرما جی کی بیوی کے ہاتھ سے چوڑیاں نہ اتر سکیں تو حملہ آوروں نے کہا کہ ——— ہاتھ کاٹ لو۔ اس پر شرما جی کی لڑکی نے دانتوں اور پتھر کی مدد سے چوڑیاں توڑ کر ان کے حوالے کر دیں حملہ آوروں نے اس کے بعد پھر گولیاں چلائیں اور شرما جی کو زبردستی اٹھا لے گئے۔

اس سے پہلے میں نے سنا تھا کہ شرما جی کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ یہ نیا بیان مختلف ہے۔ نہ جانے بے چارے شرما جی اب کہاں اور کس حالت میں ہوں گے۔ کس قدر شرمناک بات ہے کہ یہ واقعہ گورنمنٹ سیکرٹریٹ کے پیچھے کرشن نگر میں ہوا اور پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

گورنمنٹ پریس کے اس ملازم نے بتایا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انجنیئر مسٹر سیفی ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں بیٹھے کام کر رہے تھے کہ ان کے ساتھیوں نے انہیں پکڑ لیا۔ اور رسیوں سے جکڑ کر آرے کی مدد سے ان کا گلا کاٹ دیا۔

کس قدر سنگدل ہو گیا ہے انسان۔ وہ ساتھی جو مدتوں ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔ نگاہوں کا لحاظ تک نہیں رہا۔

آج "سول" نے غالباً انہی حالات کے پیشِ نظر حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ حکومت کرے یا دست بردار ہو جائے۔ اس نے لکھا ہے کہ :-

"اس وقت صوبہ پر خان محمد وٹو اور ان کے ساتھیوں کی حکومت نہیں بلکہ کانسٹبلوں اور غنڈوں کی حکومت ہے۔ مسٹر لیاقت علی نے لاہور میں جو لمبے چوڑے وعدے کئے تھے۔ ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وزیر بد امنی دور کرنے یا لوگوں کا اخلاق بلند کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے۔ وزارت قائم ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہونے والا ہے۔ مگر ہر محکمے میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ حالات غیر معمولی رہے ہیں اور اس لئے مشکلات بھی زیادہ ہیں مگر وزیروں نے بھی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔"

"سول" بڑی جرأت سے کہہ رہا ہے اگر دوسرے اخبار بھی اسی طرح جرأت سے کام لیں۔ تو شہر کا نقشہ بدل جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ لیڈروں کی طرح اخبار نویسی بھی دوکانداری اور تجارت ہے۔ اخبار نویس اور لیڈر دونوں عوام کو بھڑکا کر اپنی دوکانیں چلا رہے ہیں اور عوام تباہ ہو رہے ہیں۔

یہ الفاظ میں رات کی تاریکی میں کھلی چھت پر سامنے کے بجلی کے کھمبے کی روشنی میں لکھ رہا ہوں۔ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے لیکن بجلی کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ فضا پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ تاریک آسمان میں چاند کے بغیر تاروں کے جھرمٹ نہایت ڈراؤنے دکھائی دیتے ہیں۔

راسخ العتقاد لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا آسمان پر رہتا ہے اور چاند ستاروں کی کھڑکیوں سے دنیا کو جھانکتا ہے۔ شاید اسی نظریہ کے مطابق کئی لوگ کہتے ہیں کہ رات کو آسمان سے خدا کے نور کی بارش ہوتی ہے مگر مجھے تو اس ماحول سے ڈر لگ رہا ہے۔

لکھتے لکھتے جسم میں کپکپی سی دوڑ جاتی ہے اور میں اپنی انتر آتما سے پوچھنے لگتا ہوں کہ کہیں خدا کی ہستی بھی محض دل کو تسلی دینے کا ایک خیال تو نہیں ——— اگر خدا ہے تو کیا خون کے پیاسے انسانوں کی طرح اس کی زبان کو بھی خون لگ گیا ہے اور انسانیت سے اندھے انسانوں کی طرح وہ بھی بینائی سے محروم ہو گیا ہے یا وہ اتنا سنگدل ہو گیا ہے کہ اسے بے گناہ انسانوں کے قتل اور بے گناہ اور نہتی عورتوں کی عصمت دری پر کوئی ترس نہیں آتا۔ وہ ایک ظالم انسان کی طرح اس وحشت ناک منظر کو ایک تماشائی کی طرح دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ آخر اس وحشت ناک ماحول میں جہاں بے گناہ انسانوں کا خون ہو رہا ہے۔ عبادت گاہوں میں خدا کی پرستش کرنے والے فریبی اور مکار نہیں تو اور کیا ہیں اگر خدا موجود ہے تو وہ خود فریبی میں بے شک مبتلا ہوں مگر خدا کو تو ان کے دھوکہ اور فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔

یاس صاحب لدھیانہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ لدھیانہ میں مسلمانوں کو تلک لگانے کے لئے مجبور کیا گیا اور جب وہ منٹگمری گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہندوؤں کو کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا گیا گویا ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایشور اور خدا سنگین کی نوک سے اپنی عبادت کراتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ایسے خدا کو تسلیم کرنے سے انکار کر دوں۔ اگر اس کا وجود ہے تو اس کے خلاف بغاوت کر دوں۔ جو لوگ اسے مانتے ہیں وہ بھی قتل ہو رہے ہیں میں بغاوت کر دوں تو وہ قتل کے سوا اور کیا مزا دے سکتا ہے ایک قاتل خدا کی پرستش کرنے کی بجائے اس کے خلاف بغاوت کرنا ہی بہتر ہوگا۔

لیکن خدا ——— بغاوت ——— چھرے ——— قتل ——— اغوا ——— عصمت دری ——— میرا جسم کانپ اٹھتا ہے ——— خیالات میں توانائی کے

باوجود میں کتنا کمزور اور بزدل ہوں ——— گولی کی آواز آئی اور میرے منہ سے نکل گیا ——— ہے رام

۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

بلوچستان کے چیف سر جعفرے پرائڈ کو اپنی صاف گوئی کی سزا ملنے والی تھی کہ وہ بچ گئے ——— چند دن ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ قتل عام کرنے والے پاکستان کو قاتلستان بنا رہے ہیں۔ "سول" نے لکھا ہے کہ اگلے روز لورالائی کے نزدیک اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ سر جعفرے پرائڈ بچ تو گئے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انہیں کب بوریا بستر گول کرنا پڑے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر پر حملہ ہونے والا ہے۔ لاہور ریڈیو سے کشمیر گورنمنٹ کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور قبائلیوں اور سرحد کے پٹھانوں کو بھڑکایا جا رہا ہے۔ ہمارے کیمپ کا سرحدی پہرہ دار غائب ہے۔ آج دوسرے پہرہ دار سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اسے "لڑائی" کے لئے بلایا گیا ہے۔ لڑائی کہاں ہوگی؟ یہ دوسرے پہرہ دار کو معلوم نہیں لیکن تعجب نہیں کہ لڑائی کشمیر میں ہو۔

آج دہلی ریڈیو کہہ رہا تھا کہ مہاتما گاندھی سے امرت دھارا کے مالک پنڈت ٹھاکر دت جی ملے اور مہاتما جی نے کہا کہ

"میرے دوست دہلی میں امن بحال کرنے کے لئے میری مدد کریں۔ تو مجھے طاقت ملے گی اور میں لاہور۔ راولپنڈی، شیخوپورہ اور دوسرے مقامات کو جاؤں گا اور اس وقت تک چین نہیں لوں گا جب تک ہر ایک ہندو اور سکھ کو پاکستان میں دوبارہ

عزت اور شان سے آباد نہیں کیا جاتا۔"

مہاتما گاندھی امن کے دیوتا ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اکیلے اور بے بس ہیں۔ ان کا ساتھی نہ تو ہندوستان میں ہے نہ پاکستان میں، اس لئے وہ کیونکر کامیاب ہوں گے؟

کیمپ کی زندگی دوزخ سے بھی بدتر ہو رہی ہے۔ صفائی کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے گندگی پھیل رہی ہے۔ ہر شخص مصیبت زدہ ہے لیکن کسی کو ایک دوسرے کی تکلیف یا بے آرامی کا خیال نہیں۔ اتنی خوفناک تباہی ہو رہی ہے مگر خود غرضی ختم نہیں ہوئی۔

آج شہر سے ایک لالہ جی ملٹری کے ٹرک میں لائے گئے تھے۔ ان کے پاس دو بڑے بڑے بکس تھے۔ نہ معلوم انہوں نے کہاں جادو سیکھا کہ دو گھنٹہ کے اندر اندر ٹرک پر سوار ہو کر امرتسر روانہ ہو گئے۔ ان سے پہلے آئے ہوئے کئی لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں سب انسان مساوی ہیں۔ مگر روپے والا یہاں بھی اپنا داؤ چلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

کل رات دہلی ریڈیو کہہ رہا تھا کہ جامعہ مسجد کے امام صاحب اور خان بہادر حبیب الرحمان صحیح سلامت ہیں۔ مگر "زمیندار" نے آج پہلے صفحہ پر پہلی خبر شائع کی ہے کہ دونوں کو ہندو غنڈوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ "زمیندار" نے تو لکھا ہے کہ پاکستان کے ہائی کمشنر مسٹر زاہد حسین پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ یہ آخری خبر بھی گپ معلوم ہوتی ہے لیکن آج کے زمانے میں سچائی کا کیا سوال؟ گپوں سے لوگوں کو بھڑکا کر دوکان چمکائی جاتی ہے۔

۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء

نیشنل سٹی بنک کے مینجنگ ڈائرکٹر لالہ فقیر چند آج ایک قمیض اور پتلون پہنے ہوئے پہنچے۔ ان کی حالت قابل رحم تھی۔ انہوں نے بتایا ـــــ کہ پولیس کے ہتھیار بند سپاہی ماڈل ٹاؤن میں میرے مکان میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میرے اور میرے لڑکے دھرم دت کا نام پکارا اور میرے نوکر سے پوچھا کہ دونوں کہاں ہیں۔ پولیس کے ساتھ ڈپٹی کمشنر بھی تھا۔ اس نے کہا تمہیں اس مکان میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ میں نے میاں افتخار الدین کو فون کیا تھا۔ انہوں نے امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن مدد نہ کی۔ میں اور میرا بیٹا دونوں بنک میں تھے۔ پولیس والے زبردستی مکان میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے بکسوں کے تالے توڑ ڈالے اور قیمتی سامان اور زیور پولیس اپنے ساتھ لے گئی۔ میرا پڑوسی حالات معلوم کرنے کے لئے باہر نکلا۔ تو پولیس نے اسے پکڑ لیا اور مکان کے پیچھے برآمدے میں لے جا کر گولی سے ہلاک کر دیا۔ میں گھر پہنچا تو پولیس جا چکی تھی۔ میں نے رات دوسرے مکان میں ماڈل ٹاؤن سوسائٹی کے پہرہ داروں کی حفاظت میں گزاری۔ اور اب یہاں آیا ہوں۔

لالہ فقیر چند اب ہوائی جہاز پر دہلی جا رہے ہیں جسم کے دو کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ جہاز کا کرایہ بھی قرض لے کر ادا کریں گے۔

لالہ فقیر چند بے حد پریشان تھے۔ کہتے تھے رات رو رو کر گزاری۔ کئی بار میاں افتخار الدین اور دوسرے دوستوں کو فون کیا مگر کسی نے مدد نہ کی بلکہ پرانے دوست بھی آنکھیں دکھا رہے ہیں اور مشورہ دے رہے ہیں کہ میں دہلی چلا جاؤں۔

میں نے کہا ـــــ آپ کی طرح ہزاروں دوسرے لوگوں کی حالت بھی اسی طرح

دردناک ہے۔ ذرا کیمپ میں ایک دو دن رہ کر تو دیکھئے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گئے۔

دہلی کے ایک مسلمان تاجر اپنی دوکان کے تبادلے کی بات چیت کرنے کیلئے کیمپ میں آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ دہلی اور دوسرے فساد زدہ مقامات سے جو لوگ لاہور آئے ہیں اُن کے کیمپوں میں بھی حالت بہت بُری ہے۔ مغلپورہ والے کیمپ میں پیشہ ور غنڈے گھس جاتے ہیں اور غریب لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر کیمپ سے باہر لے جا کر ٹبی اور ہیرا منڈی میں بیچ دیتے ہیں۔

آج کے "سول" میں پناہ گزینوں کے محکمہ کے وزیر میاں افتخار الدین کا بیان شائع ہوا ہے۔ جس میں درج ہے کہ

"کچھ مسلمان سینکڑوں مسلمان لڑکیوں کو گمراہ کر کے انہیں خراب کر رہے ہیں ان غنڈوں کو گرفتار کیا جائے گا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو کئی ایسی لڑکیاں طوائفوں کے اڈوں سے برآمد ہو چکی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ کچھ افسر غریب پناہ گزینوں سے رشوتیں لے رہے ہیں۔ ان کے خلاف بھی سخت کارروائی کی جائے گی۔"

۲۹ ستمبر

مریش کے خط نے مجھے پاگل سا بنا دیا ہے۔ مریش نرملا کو لے کر امرتسر گیا تھا وہاں سے گاڑی پر ہوشیار پور جا رہا تھا کہ اسٹیشن پر حملہ ہو گیا۔ لاہور کا خونی ڈرامہ دھرایا گیا۔ نرملا بھیڑ میں پھنس گئی اور ایک ہندو کے خنجر کا شکار ہو گئی۔ قاتل نے

اُسے مسلمان سمجھ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

سریش نے لکھا ہے کہ اس واقعہ نے اُسے دیوانہ بنا دیا ہے اُسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ اس کے لئے اب دو ہی راستے رہ گئے ہیں یا تو خودکشی کر لے یا سادھو بن جائے۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ہیں سریش کو نہ میں مرنے دوں گا نہ سادھو بننے دوں گا۔ اسے میرے ساتھ مل کر اس جنون کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے۔ جو دونوں طرف تباہی اور خونریزی کا سبب بنا ہوا ہے میں کل ہی امرتسر روانہ ہو جاؤں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے پاکستان کی بجائے ہندوستان میں جدوجہد کرنی چاہیئے۔

۳۰ ستمبر

الوداع پیارے وطن الوداع۔ لاہور کی فضاؤں۔ لاہور کی دلکش گلیوں اور بازاروں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دوبارہ واپس نہ آسکوں گا۔ جو سرزمین میرے لئے مادر وطن تھی آج وہی اجنبی بن رہی ہے ٹرک تیزی سے سرحد کی طرف جا رہا ہے۔ اس پر چاروں طرف پردے لگے ہوئے ہیں اور ہمیں اجازت نہیں کہ جھانک کر دیکھ سکیں۔ ٹرک کی چھت پر بندوقیں تانے ہوئے فوجی سپاہی بیٹھے ہوئے ہیں اور ہجوم کے نعروں کی آوازیں سُنائی دے رہی ہیں۔

(نامکمل)

ادب سے ذوق رکھنے والے لاکھوں کروڑوں اشخاص اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ منٹو کے یہی فحش افسانے ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں منٹو کے وہی تمام فحش افسانے جن پر مقدمات چل چکے ہیں۔ جن کے باعث منٹو کو سزائیں ہو چکی ہیں۔ لیکن عدالت بالا میں پہنچ کر جن تمام افسانوں پر سے مقدمات واپس لے لئے گئے ہیں۔ منٹو کی سزائیں منسوخ کر دی گئی ہیں۔ جرمانے واپس کر دیئے گئے ہیں۔ وہ ہی تمام افسانے جو اس قدر ہنگاموں اور قیامتوں کا باعث ہے۔

منٹو کے فحش افسانے

نامی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں

جس طرح منٹو کے یہ تمام فحش افسانے اردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح منٹو کے افسانوں کا یہ مجموعہ۔ کتابوں کی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

اگر آپ یہ فحش افسانے پڑھنا چاہتے ہیں۔ جن میں شراب و شباب۔ گناہ و ثواب کے رنگین خاکوں میں منٹو نے اپنے آتش ریز قلم سے جان ڈال دی ہے تو آج ہی یہ کتاب طلب فرمائیں۔ قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے